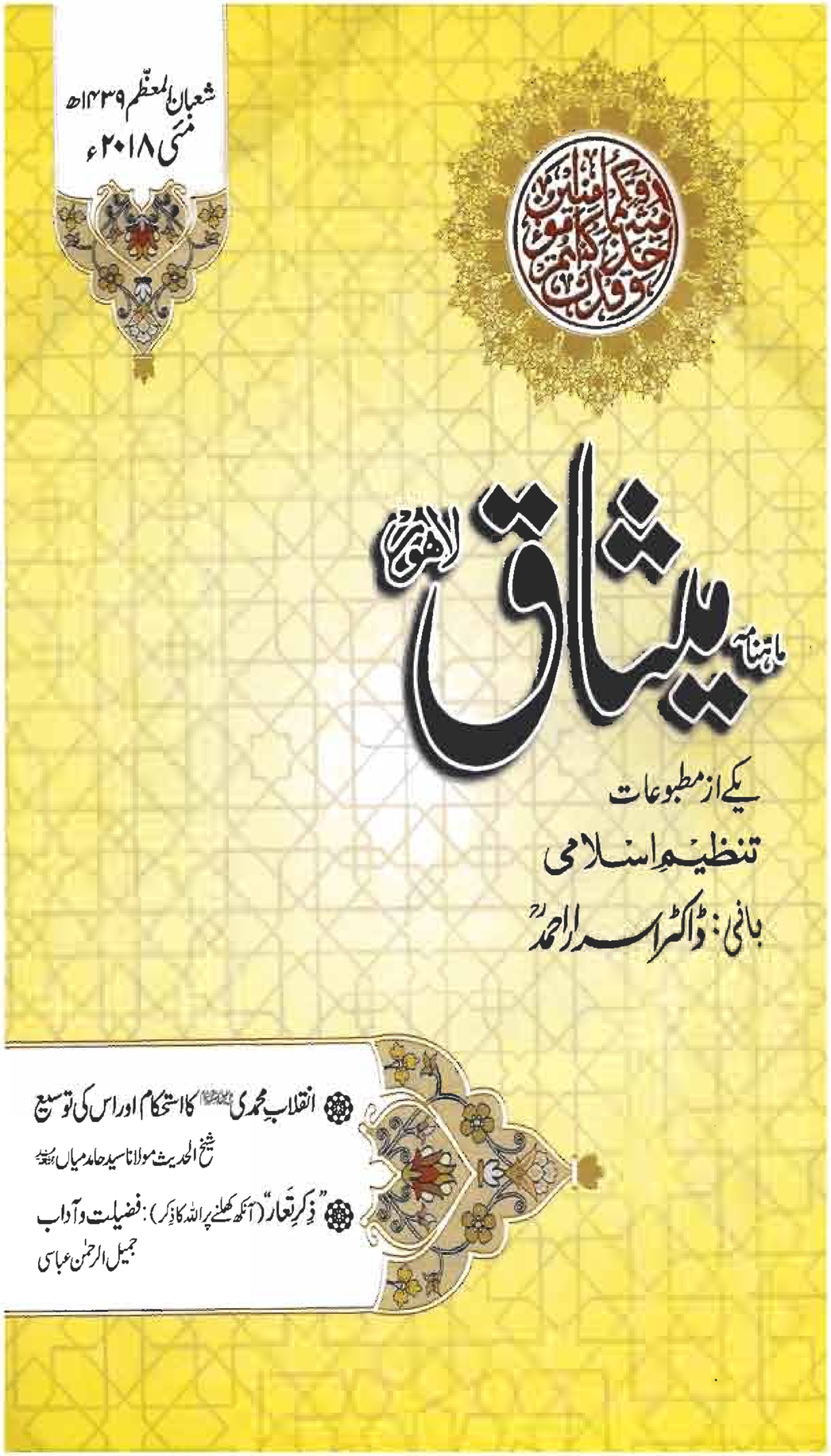

شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ
مئی ۲۰۱۸ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- انقلابِ محمدی کا استحکام اور اس کی توسیع
شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاں
- ”ذِکرِ تعار“ (آنکھ کھلنے پر اللہ کا ذِکر): فضیلت و آداب
جمیل الرحمٰن عباسی

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن
دیدہ زیب ٹائٹل ● امپورٹڈ آفسٹ پیپر ● بڑے سائز میں ● عمدہ طباعت ● مضبوط جلد
سات جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 3800 روپے

عوامی ایڈیشن
کتابی سائز ● پیپر بیک بائنڈنگ ● امپورٹڈ بک پیپر ● عمدہ طباعت ● دیدہ زیب ٹائٹل
چھ جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 1800 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 67

شمارہ : 5

شعبان المعظّم 1439ھ

مئی 2018ء

فی شمارہ 30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت وبنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - قندوز میں حافظِ قرآن بچوں پر فضائی حملہ — ادارہ
- **بیانُ القُرآن** — 9
  - سورۃ سبا (آیات ۱ تا ۲۱) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **مطالعۂ قرآن حکیم** — 23
  - حظِّ عظیم: سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آیات کی روشنی میں — شجاع الدین شیخ
- **اسوہ و سیرت** — 33
  - انقلابِ محمدی ﷺ کا استحکام اور اس کی توسیع — مولانا سید حامد میاں
- **تذکیر و موعظت** — 42
  - ''ذکرِ تعار'' یعنی آنکھ کھلنے پر اللہ کا ذکر: فضیلت و آداب — جمیل الرحمٰن عباسی
- **آمد بہار کی ہے** — 57
  - رمضان کی مبارک ساعتوں میں کرنے والے مخصوص کام — پروفیسر عبدالعظیم جانباز
- **مَن کی دنیا** — 63
  - اللہ کا ذکر: روح کی غذا — پروفیسر عبداللہ شاہین
- **عالمِ اسلام** — 72
  - بیت المقدس اور فلسطین پر قبضے کی یہودی منصوبہ بندی — مولانا محمد جہان یعقوب
- **ظروف و احوال** — 79
  - شام کا ماضی، حال اور مستقبل — محمد ندیم پشاوری
- **دعوتِ فکر** — 89
  - ''مہذّب حیوانیت'' — مسز بینا حسین خالدی
- **انوارِ ھدایت** — 95
  - اسلام اور دوسرے الہامی مذاہب — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

قندوز میں حافظِ قرآن بچوں پر فضائی حملہ

ماہِ اپریل کے آغاز میں افغانستان کے صوبہ قندوز میں امریکی اور افغان فضائیہ نے ایک مدرسے پر فضائی حملہ کر کے ایک سو سے زائد معصوم حافظِ قرآن بچوں کو شہید کر دیا اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ یہ حملہ اس وقت کیا گیا جب مدرسے میں حفظِ قرآن کلاس کی تکمیل کے بعد تقسیمِ اسناد کی تقریب جاری تھی اور یہ معصوم بچے اپنے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ اس تقریب میں شریک تھے۔ افغان جنگ کی تاریخ کا یہ سنگین ترین واقعہ ہے کہ دیدہ و دانستہ معصوم بچوں کو اتنی بڑی تعداد میں نشانہ بنایا گیا۔ امریکہ یا افغان انتظامیہ اس واقعہ پر جو بھی تاویلیں پیش کریں' ایک بات بہرحال طے ہے کہ یہ افغان انتظامیہ اور امریکہ کا سوچا سمجھا اقدام تھا۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے' کیونکہ بچے کسی بھی قوم کے ہوں' کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں وہ بچے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ حالتِ جنگ میں بھی پوری اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے دشمن کے بچوں یا عورتوں پر ہاتھ اُٹھایا ہو۔ لیکن آج خود کو مہذب اور انسانی حقوق کا علمبردار کہنے والا مغرب اسلام دشمنی میں تمام تر بین الاقوامی قوانین اور اخلاقی تقاضوں کو پسِ پشت ڈال چکا ہے۔

اس واقعہ کے بعد خود کو انسانی حقوق کا عالمی چمپئن ظاہر کرنے والے امریکہ کا اصل اور بھیانک چہرہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ ایک طرف امریکہ اور مغرب ملالہ یوسف زئی کو اس لیے icone بنا رہے ہیں کہ ان کے بقول ملالہ نے بچوں کی تعلیم کے لیے آواز اُٹھائی تھی۔ حالانکہ یہ سب مغرب کا پروپیگنڈا ہے۔ ملالہ کے ماں باپ نے بھی تو آخر تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن مغرب پروپیگنڈا ایسے کر رہا ہے جیسے ان علاقوں میں پہلے تعلیم تھی ہی نہیں' ملالہ نے پہلی بار شروع کروائی ہو۔ ملالہ پر حملے کو بنیاد بنا کر مغرب پاکستانی معاشرے کے خلاف اس قدر پروپیگنڈا کرتا ہے اور دوسری طرف خود ایک سو سے زائد معصوم بچوں کو فضائی حملہ کر کے شہید کر دیا جو کہ تعلیم ہی حاصل کر رہے تھے۔ مغرب کا یہ دہرا معیار کیا ظاہر کرتا ہے اور ان معصوم بچوں سے آخر دنیا کی سپر پاور قوتوں کو کیا خطرہ

تھا کہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے فضائی حملہ کر کے انہیں شہید کیا گیا؟

جو حقیقت واضح طور پر نظر آ رہی ہے وہ یہی ہے کہ مغرب ایسی تعلیم نہیں چاہتا جو دنیا کے کسی بھی خطے میں مغرب کے مسلّط کردہ سرمایہ دارانہ نظام' جو کہ حقیقت میں ابلیسی نظام ہے' کو چیلنج کرنے والے مردِ میدان پیدا کرے۔ خاص طور اسلامی تعلیم جو کہ ''ربّ کی دھرتی پر ربّ کے نظام'' کا مسلمانوں سے تقاضا کرتی ہے' مغرب کو کسی صورت قبول نہیں۔ وہ تو چاہتا ہے کہ نصابِ تعلیم میں اگر اسلامی تعلیمات کا کوئی شائبہ تک ہو تو وہ بھی نکال دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ تمام لٹریچر جو مسلمانوں کو اسلام کے فطری نظام کے قیام کا راستہ دکھائے وہ بھی مغرب کو برداشت نہیں۔ چنانچہ اسی مغربی دباؤ کے تحت جون ۲۰۱۵ء میں مصر میں الاخوان راہنماؤں سید قطب' حسن البناء اور یوسف القرضاوی سمیت کئی دوسرے راہنماؤں کی کتب کی بڑی تعداد ضبط کر لی گئی۔ دسمبر ۲۰۱۵ء میں سعودی عرب نے بھی سید قطب' حسن البناء' یوسف القرضاوی اور مولانا مودودی کی کتب پر پابندی عائد کر دی اور ان کی کتب پورے ملک سے ضبط کر لیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ کتب نوجوان نسل کے ذہنوں کو ''خراب'' کرنے اور انہیں ''انتہا پسندی'' کی طرف لے جانے کا موجب بن سکتی ہیں۔

پاکستان میں بھی انہی خطوط پر بہت پہلے سے کام شروع ہو چکا ہے اور تو اور مصوّرِ پاکستان علامہ اقبال کے کلام کو بھی خارج از نصاب کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ۹ نومبر کو یومِ اقبال پر قومی تعطیل ختم کر دی گئی ہے۔ گویا پوری اسلامی دنیا میں شیطانی نظام کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے مغربی ایجنڈے پر عمل درآمد مغرب کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے' لیکن صرف ایک افغانستان ہے جہاں ''fundamentalism کا جن'' مغرب کے قابو میں نہیں آ رہا۔ تقریباً ایک سو سال سے یہ پراسیس جاری ہے۔ مغربی تعلیم کے ذریعے اسلامی دنیا میں جو روشن خیالی لائی جا چکی ہے اس کے ثمرات اب ہر جگہ دکھائی دے رہے ہیں۔ جیسے یورپی اپنے عیسائی ہونے پر فخر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے تھے' لہٰذا وہ دنیا میں جو بھی کریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہ معاف کروا لیں گے' اسی طرح مسلمانوں کے نزدیک بھی آنحضور ﷺ کی اُمت میں پیدا ہونے کا مطلب صرف یہ رہ گیا ہے کہ انہیں اس پر صرف فخر کرنا چاہیے اور سال میں ایک دفعہ عید میلاد النبیؐ منا کر اس فخر کا خوب خوب اظہار کرنا چاہیے' اور بس! لیکن افغان ان سو سالوں میں مغرب کے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود ابھی تک یہ نہیں بھولے کہ حضور ﷺ کی اُمت میں پیدا ہونے کا اصل مطلب کیا ہے اور ایک مسلمان کی کیا ذمہ داری ہے؟ صرف اس لیے کہ انہوں نے مغربی تعلیم کی

کشش کے باوجود اصل ہدایت یعنی ''الہدیٰ'' سے اپنا رشتہ اُستوار کر رکھا ہے۔ لہٰذا وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو کس لیے بھیجا تھا اور آپؐ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝۹﴾ (الصف)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اس کو پورے نظامِ زندگی پر' اور خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو!''

بحیثیت مسلمان افغانوں کی ایک بڑی اکثریت نہ صرف اپنی اس ذمہ داری کو پہچانتی ہے بلکہ ابھی تک اس ذمہ داری کو نبھا بھی رہی ہے۔ جبکہ مغرب کے نزدیک یہی ان کا سب سے بڑا جرم ہے کہ وہ باقی اسلامی دنیا کی طرح نیو ورلڈ آرڈر کے تحت مغرب کے قدم سے قدم ملا کر نہیں چل رہے۔ اسی جرم کی سزا دینے کے لیے نائن الیون کا ڈراما رچایا گیا اور اس کو بہانہ بنا کر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔ ۴۰ ممالک کی افواج نے امریکہ کی قیادت میں اپنے تمام تر وسائل اور ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے دیکھ لیا' لیکن افغانستان کے وہ سچے مسلمان اپنی دینی ذمہ داری اور ہدف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹے۔ دنیا کی سپر پاورز اپنی پوری قوت صرف کرنے کے بعد بالآخر مذاکرات کی میز سجانے پر مجبور ہوئیں۔ ان مذاکرات کے ذریعے بھی مغرب نے افغان طالبان کے تلوے چاٹے کہ کسی طرح وہ افغانستان کے حکومتی سیٹ اپ کا حصہ بن جائیں اور امریکہ دنیا کو منہ دکھانے کے قابل ہو جائے کہ اس کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ اب بھی اس کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ حتیٰ کہ افغان طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے پاکستان پر نہ صرف کافی عرصہ سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے بلکہ مختلف معاشی اور سیاسی ہتھکنڈوں کے ذریعے پاکستان کو مجبور بھی کیا جا رہا ہے۔ اس سارے کھیل کا اصل مقصد کیا ہے؟ صرف یہ کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی طرح افغان طالبان بھی اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں جو مسلمان ہونے کے ناتے ان پر اللہ کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔ یعنی وہ اس دین کو قائم کرنے سے باز آ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو دے کر اس لیے بھیجا کہ وہ اس کو دنیا میں غالب کر دیں تاکہ انسانیت کو باطل اور استحصالی نظاموں سے چھٹکارا حاصل ہو۔ دنیا کے دیگر مسلمانوں کے نزدیک افغانستان کے موجودہ حکومتی سیٹ اپ کا حصہ بننے میں شاید کوئی قباحت نہ ہو'

کیونکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی ایسی ہی حکومتیں قائم ہیں' لیکن افغان طالبان جانتے ہیں کہ اس کا مطلب ایک مسلمان سے اس کی مسلمانی چھین لینا ہے' یعنی ایک مسلمان کی اصل ذمہ داری کو چھین لینا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر مسلمان کے پاس وہ ذمہ داری نہ رہی جو اللہ کے آخری نبی ﷺ سے اُسے تفویض ہوئی ہے تو پھر وہ اُمتی کیسا اور حضور ﷺ سے محبت اور عقیدت کا دعویٰ کیسا؟

افغانستان کے مسلمانوں کی اکثریت میں مسلمان ہونے کا اصل شعور اسی تعلیم کے مرہونِ منت ہے جس کا تعلق براہ راست ''الہدیٰ'' سے ہے۔ اسی لیے مغرب جہاں ''دینِ حق'' کا دشمن ہے وہاں ''الہدیٰ'' کا بھی دشمن ہے۔ مغرب کا امام امریکہ سترہ سال افغانستان میں ناک رگڑ کر دیکھ چکا' نہ تو افغانستان میں نیو ورلڈ آرڈر لاگو ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہاں سرمایہ دارانہ نظام کے قیام کا ابلیسی ایجنڈا پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا امریکہ اب ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق آخری ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے اور وہی ابلیس کا آخری حربہ ہے کہ ؎

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو!

لیکن ہو گا کیا؟ کہ جس طرح نائن الیون کے بعد عالمِ اسلام پر مغرب کی عسکری یلغار سے اسلام دنیا میں مزید پھیلا ہے' اسی طرح قندوز میں شہید کیے گئے معصوم حافظِ قرآن بچوں کی عقیدت افغانوں کی غیرتِ دین میں مزید اضافہ کا باعث بنے گی۔ ان شاء اللہ! اس واقعہ کے بعد کٹھ پتلی افغان حکومت کا بھرم اگر کسی علاقے میں تھا بھی تو وہ بھی ختم ہو گیا ہے۔ گویا افغانوں کا اعتبار موجودہ حکومتی سیٹ اپ سے اُٹھ گیا ہے اور وہ افغان طالبان کے مزید قریب ہوئے ہیں۔ افغانوں کو صاف نظر آنے لگا ہے کہ موجودہ حکومت اگر چاہے بھی تو افغانوں کو انصاف اور امن فراہم نہیں کر سکے گی۔ لہٰذا حقیقی امن اور انصاف کے لیے انہیں افغان طالبان پر ہی بھروسا کرنا ہو گا۔ اس کی مثالیں وہ سابقہ افغان طالبان دور میں دیکھ بھی چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن علاقوں میں پہلے افغان طالبان کا اثر ورسوخ نہیں تھا اب وہاں بھی بڑھ رہا ہے۔ گویا اس واقعہ سے امریکہ اپنی ذلت آمیز ناکامی کے مزید قریب ہوا ہے اور وقت آئے گا کہ امریکہ اپنے ابلیسی ایجنڈے سمیت افغانستان سے بھاگنے پر مجبور ہو گا۔ جبکہ حافظ قرآن بچوں کی ان شہادتوں کے طفیل اللہ تعالیٰ افغانستان میں دین حق کے غلبہ کا راستہ بھی ہموار کر دے گا اور ایک بار پھر افغانستان میں اسلامی نظام کا نمونہ قائم ہو گا جو پوری دنیا کے لیے مثال بن جائے گا۔ ان شاء اللہ! ❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ سَبا

تمہیدی کلمات

سورۂ سبا کا آغاز کلمہ حمد (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) سے ہو رہا ہے جبکہ اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ فاطر بھی اسی کلمہ سے شروع ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم بات یہ نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کے آغاز میں سورۃ الفاتحہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد تقریباً سات سات آٹھ آٹھ پاروں کے فصل سے ایک ایسی سورت آتی ہے جس کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے ہوتا ہے۔ جیسے ساتویں پارے میں سورۃ الانعام کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .....﴾۔ اس کے بعد پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ .....﴾۔ پھر سات پاروں کے بعد بائیسویں پارے میں سورۂ سبا اور سورۂ فاطر دو سورتیں ایک ساتھ آئی ہیں جن کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے ہو رہا ہے۔ یہ دونوں سورتیں جوڑے کی شکل میں ہیں اور کلمۂ حمد سے شروع ہونے والی یہ آخری سورتیں ہیں۔ اس کے بعد کوئی ایسی سورت نہیں ہے جس کا آغاز اس کلمہ سے ہوتا ہو۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

آیات ۱ تا ۹

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ ؕ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا ؕ وَھُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا

یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۳ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝۴ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝۵ وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ھُوَ الْحَقَّ ۙ وَیَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝۶ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھَلْ نَدُلُّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّکُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝۷ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمْ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ۝۸ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِھِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْھِمْ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝۹

آیت ۱ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ”کُل حمد اور کُل شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے“

﴿وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ ؕ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱﴾ ”اور آخرت میں بھی اُسی کے لیے حمد ہوگی‘ اور وہ کمال حکمت والا‘ ہر چیز سے باخبر ہے۔“

آخرت کی حمد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((لِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ))(۱) ”اُس دن (یعنی میدانِ حشر میں) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا“۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس روز میں جو حمد کروں گا وہ آج نہیں کر سکتا —— آخرت کی اس حمد کا اس آخری اُمت کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسمائے مبارک محمدؐ‘ احمد اور حامد کا تعلق بھی لغوی طور پر لفظ ”حمد“ کے ساتھ ہے اور اسی لیے اس امت کو بھی ”حَمَّادُون“ (بہت زیادہ حمد کرنے والے) کہا گیا ہے۔

آیت ۲ ﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا ؕ﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔“

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب فی فضل النبی ﷺ۔

﴿وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲﴾ ''اور وہ نہایت رحم کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے۔''

آیت ۳ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت کبھی نہیں آئے گی۔''

عام طور پر ''السَّـــــاعة'' کا ترجمہ قیامت ہی کر دیا جاتا ہے' مگر جیسا کہ سورۂ لقمان کی آیت ۳۴ کے ضمن میں بھی بتایا جا چکا ہے السَّاعة اور قیامت دو مختلف الفاظ ہیں اور دونوں کے معانی بھی الگ الگ ہیں۔ السَّاعة سے مراد وہ خاص گھڑی ہے جب زمین میں ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا' ستاروں اور سیاروں کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دنیا مکمل طور پر تباہ ہو جائے گی۔ جبکہ القیامة اس کے بعد کی کیفیت کا نام ہے جب دنیا دوبارہ نئی شکل میں پیدا ہوگی اور تمام انسانوں کو زندہ کر کے ایک جگہ اکٹھے کر لیا جائے گا۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ کائنات ابدی ہے اور اس کا اختتام ممکن نہیں' لیکن اب فزکس کے میدان میں نئی نئی تحقیقات کی روشنی میں سائنسدانوں کا جو نیا موقف سامنے آیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یہ کائنات ابدی نہیں ہے' اس کا اختتام ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور یہ کہ جس طرح اپنے آغاز کے بعد یہ ایک پھلجھڑی کی طرح پھیلتی رہی ہے' اسی طریقے سے اختتام پذیر ہو جائے گی۔

﴿قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے' کیوں نہیں! میرے رب کی قسم' جو تمام پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے' وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔''

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ذرّہ برابر بھی کوئی چیز نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں''

﴿وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۳﴾ ''اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز اور نہ بڑی' مگر وہ ایک روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) موجود ہے۔''

یہ قیامت کیوں آئے گی؟ اس کا منطقی جواز کیا ہے؟ اس کا جواب اگلی آیات میں دیا گیا ہے۔

آیت ۴ ﴿لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ﴾ ''تاکہ وہ جزا دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔''

انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر انسان کو اُس کے اعمال کا بدلہ ملے۔ جن لوگوں نے

اللہ تعالیٰ کے لیے دنیوی لذائذ کو چھوڑا' اپنی آسائشوں کو قربان کیا' حق کا عَلَم بلند کرنے کے لیے اپنا دُنیوی مستقبل داؤ پر لگا دیا' اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور اللہ کے راستے میں جہاد و قتال کیا' اگر انہیں ان کی کوششوں کا بھرپور صلہ نہیں دیا جاتا اور انہیں انعام و اکرام سے نہیں نوازا جاتا تو ان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی اور ناانصافی ہوگی۔ چنانچہ تمام انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق بھرپور صلہ دینے کے لیے ایک دوسری دنیا کا قیام ناگزیر ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے (آخرت میں) مغفرت بھی ہوگی اور بہت باعزت روزی بھی۔''

آیت ۵ ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵﴾ ''اور جو لوگ ہماری آیات کو شکست دینے کے لیے کوشاں رہے اُن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۶ ﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ﴾ ''اور (تاکہ) دیکھ لیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے کہ آپؐ پر جو چیز نازل کی گئی ہے آپؐ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے''

﴿وَيَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶﴾ ''اور وہ راہنمائی کرتی ہے' نہایت غالب' لائقِ حمد و ثنا ہستی کے راستے کی طرف۔''

آیت ۷ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۷﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں: کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کے بارے میں بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مٹی میں مل کر) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں ازسرِنو پیدا کر دیا جائے گا۔''

یہ اور اس کے بعد والی آیت اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان دونوں کے مضامین کا حوالہ آیت ۴۶ کے ضمن میں بھی آئے گا۔ اگرچہ حضور ﷺ کی مخالفت نبوت کے ابتدائی زمانے سے ہی شروع ہو گئی تھی اور مشرکین اپنی محفلوں میں حضور ﷺ کے بارے میں استہزائیہ جملے بھی دہراتے رہتے تھے' لیکن سات آٹھ سال تک وہ لوگ آپؐ کے بارے میں مسلسل الجھن اور شش و پنج کا شکار رہے کہ یکایک آپؐ میں یہ کیسی تبدیلی آ گئی ہے! اگلی آیت ان کی اس کیفیت کا

واضح اظہار کر رہی ہے:

آیت ۸ ﴿اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ ''کیا اس نے جھوٹ باندھا ہے اللہ پر''

کیا محمد (ﷺ) نے اتنی بڑی جسارت کی ہے کہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے؟ کہنے کو تو وہ ایک دوسرے سے یوں کہتے تھے اور خود اپنے آپ سے بھی یہ سوال کرتے تھے لیکن اصل حقیقت کو وہ خوب سمجھتے تھے کہ آپؐ کی طرف سے جھوٹ گھڑنے کا کوئی ہلکا سا بھی امکان نہیں تھا۔ اندر سے ان کے دل گواہی دیتے تھے کہ دیکھو! اس شخص کی پچھلے چالیس برس کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ ان کی سیرت و کردار سے تم خوب واقف ہو۔ تم نے خود انہیں الصادق اور الامین کا خطاب دیا ہے۔ تو بھلا ایک ایسا شخص جس نے اپنی معمول کی زندگی میں کبھی کوئی چھوٹا سا بھی جھوٹ نہ بولا ہو' آخر اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے اور وہ بھی اللہ کے بارے میں!

﴿اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ﴾ ''یا اسے جنون ہو گیا ہے!''

کبھی کہتے ممکن ہے کہ ان پر آسیب کا سایہ آ گیا ہو یا ان کا دماغی توازن خراب ہو گیا ہو' اس لیے اس طرح کی باتیں کرنے لگے ہوں۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر ان کا اپنا کوئی قصور نہیں اور انہیں جھوٹ کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس الزام پر بھی ان کے ضمیر پکار اٹھتے کہ اس پر غور تو کرو! کیا اس کلام میں تم لوگوں کو واقعی دیوانگی کے آثار نظر آتے ہیں؟ چنانچہ واقعتاً انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ماجرا آخر ہے کیا؟

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' اگر بارہ سالہ مکی دور کو تین برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو مکی سورتوں کے درمیانی گروپس (سورۃ الفرقان تا سورۃ السجدۃ اور سورۂ سبا تا سورۃ الاحقاف) میں' سورۃ الشعراء کو چھوڑ کر کہ وہ ابتدائی دور کی سورت ہے' باقی تمام وہ سورتیں ہیں جو درمیانی چار سالوں میں نازل ہوئی ہیں اور ان سب سورتوں کے مطالعہ کے دوران کفارِ مکہ کی یہی کیفیت سامنے آتی ہے۔ یعنی اس دور میں وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سخت اُلجھن اور شش و پنج کا شکار تھے۔ کبھی وہ آپؐ کو شاعر کہتے' کبھی جادوگر اور کبھی مجنون قرار دیتے' مگر آپؐ کے بارے میں کوئی واضح اور حتمی موقف اپنانے سے قاصر تھے۔ البتہ آخری چار سالہ دور میں نازل ہونے والی پندرہ سورتوں یعنی سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف اور سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون (اس گروپ میں بھی سورۃ الحجر ایک ایسی سورت ہے جو ابتدائی دور میں نازل ہوئی

تھی) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ان کے اندر polarization ہو گئی تھی۔ یعنی مکی دور کے آخری سالوں میں حضور ﷺ کے بارے میں ان کے مختلف لوگ مختلف آراء رکھتے تھے۔

﴿بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ۝۸﴾ ''بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب میں اور دُور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔''

دُنیا میں بھی ان کی جان ضیق (تنگی) میں آئی ہوئی ہے اور وہ بڑی دُور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں آخرت کا یقین ہوتا تو یہ بات جو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی' بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جاتی۔

آیت ۹ ﴿اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''تو کیا انہوں نے دیکھا نہیں جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے آسمان اور زمین میں سے!''

کیا یہ لوگ اس کائنات کا مشاہدہ نہیں کرتے جو ان کے سامنے ہے اور کیا یہ ان تاریخی شواہد و بصائر سے سبق حاصل نہیں کرتے جو ان کے پیچھے ہیں۔ گویا یہاں اس چھوٹے سے فقرے میں ''تذکیر بآلاء اللہ'' کا حوالہ بھی آ گیا اور ''تذکیر بایام اللہ'' کا بھی۔

﴿اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں''

﴿اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ﴾ ''یا ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝۹﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے ہر اُس بندے کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔''

آیات ۱۰ تا ۲۱

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۱۱ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ یَّزِغْ

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ
مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ
شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ
عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ؕ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ
مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا
لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ
قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ
وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا
فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ﴾ ''اور ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے خاص فضل عطا کیا تھا۔''

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر اس سے پہلے سورۃ النمل میں آ چکا ہے۔ وہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ ہے جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں بھی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں ہی کا ذکر ہے' مگر یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی شخصیت کو نسبتاً زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔

﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ﴾ ''(ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو! تم تسبیح کو دہراؤ اس کے ساتھ اور پرندوں کو بھی (یہی حکم دیا تھا)۔''

''تاویب'' گویا ''ترجیع'' کا ہم معنی لفظ ہے' یعنی لوٹانا اور دہرانا۔ جیسے کوئی نظم یا غزل پڑھ رہا ہو اور اس میں ایک بول یا مصرعے کو وہ بار بار اس طرح دہرائے کہ اس دوران کچھ دوسرے لوگ بھی اس کی آواز کے ساتھ آواز ملا لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام حمد و تسبیح کے ترانے پڑھیں تو وہ بھی آپؑ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور آپؑ کی آواز کے ساتھ آواز ملائیں۔

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔''

آیت ۱۱ ﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ ''کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیاں ملانے میں ٹھیک ٹھیک اندازہ رکھو''

آپؑ کے لیے لوہے کو خصوصی طور پر نرم کر دیا گیا تھا اور زرہیں بنانے کا ہنر بھی آپؑ کو سکھا دیا گیا تھا۔

﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور تم سب نیک اعمال کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو میں یقیناً اسے دیکھ رہا ہوں۔''

آیت ۱۲ ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ﴾ ''اور سلیمانؑ کے لیے ہوا کو (مسخر کر دیا تھا)' اُس کا صبح کو چلنا بھی ایک ماہ (کا سفر) تھا اور اُس کا شام کو چلنا بھی ایک ماہ (کا سفر) تھا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے تیز ہوا آپؑ کے تخت کو اڑا کر وہاں پہنچا دیتی اور جو فاصلہ اُس زمانے کے لوگ مروّجہ سواریوں کے ذریعے ایک ماہ میں طے کرتے حضرت سلیمانؑ وہ فاصلہ ہوا کے ذریعے سے ایک صبح یا ایک شام میں طے کر لیتے تھے۔

﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ﴾ ''اور ہم نے اُس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔''

﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ﴾ ''اور کچھ جن بھی (اسؑ کے تابع کر دیے تھے) جو اُس کے سامنے کام کرتے تھے اُس کے رب کے حکم سے۔''

﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور ان میں سے جو کوئی بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اسے ہم جلا دینے والا عذاب چکھاتے تھے۔''

آگے ان کاموں کی تفصیل بھی بتائی جا رہی ہے جو جِنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے کرتے تھے۔

آیت ۱۳ ﴿یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ﴾ ''وہ بناتے تھے اُس کے لیے جو وہ چاہتا تھا' بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے''

شریعتِ محمدیؐ میں مجسمے بنانا حرام ہے' لیکن ان الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایسا کرنا جائز تھا۔ ویسے ''تِمثال'' عربی زبان میں ہر اُس شبیہہ یا پیکر کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنایا جائے' خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔

﴿وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ﴾ ''اور تالابوں کی مانند بڑے بڑے لگن اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک جگہ مستقل پڑی رہتی تھیں۔''

یعنی وہ دیگیں اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ چولہوں کے اوپر ہی پڑی رہتی تھی اور وہاں سے انہیں ہلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس طرح کی دیگیں اجمیر شریف (انڈیا) میں حضرت معین الدین اجمیریؒ کے مزار پر بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ ''اے داؤدؑ کے گھر والو! عمل کرو شکر ادا کرتے ہوئے''

حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے اس لیے آپؑ کو آلِ داؤدؑ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے کہ آپؑ پر اللہ کی ان نعمتوں کا شکر لازم ہے۔ چنانچہ آپؑ کا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کی احسان مندی کا مظہر ہونا چاہیے۔

﴿وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور (واقعہ یہ ہے کہ) میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہی ہیں۔''

آیت ۱۴ ﴿فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ﴾ ''پھر جب ہم نے اُسؑ پر موت طاری کر دی''

﴿مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ﴾ ''تو کسی نے ان (جِنّات) کو اُس کی موت سے آگاہ نہ کیا مگر زمین کے کیڑے نے''

﴿تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ﴾ ''جو اُسؑ کے عصا کو کھاتا تھا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام جِنّات کی نگرانی کے لیے اپنے عصا کے سہارے کھڑے تھے کہ آپؑ

کی روح قبض ہو گئی مگر آپؑ کا جسد مبارک اسی طرح کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ دیمک نے آپؑ کی لاٹھی کو کھا کر کھوکھلا کر دیا۔ اس دوران جِنّات آپؑ کی موت سے بے خبر کام میں مصروف رہے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ آپ کھڑے ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۱۴﴾﴾ ''پھر جب وہ گر پڑا تو جنّوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔''

آیت ۱۵ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ﴾ ''(اسی طرح) قومِ سبا کے لیے بھی ان کے مسکن میں ایک نشانی موجود تھی''۔

قومِ سبا ۸۰۰ قبل مسیحؑ کے لگ بھگ یمن کے علاقے میں آباد تھی۔ انہوں نے اپنے پہاڑی علاقوں میں بہت سے بند تعمیر کر رکھے تھے جن میں سب سے بڑے بند کا نام ''سدِ مآرب'' تھا۔ ان بندوں سے انہوں نے چھوٹی بڑی نہریں نکال کر میدانی علاقوں کو سیراب کرنے کا ایک مربوط و مؤثر نظام بنا رکھا تھا۔ آب پاشی کے اس نظام کے باعث ان کے ہاں باغات کی کثرت تھی۔ باغات کے دو بڑے سلسلے تو سینکڑوں میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ بہر حال یہ اپنے وقت کی بڑی خوشحال اور طاقتور قوم تھی' مگر آہستہ آہستہ یہ لوگ مذہبی و اخلاقی زوال کا شکار ہوتے گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی ناشکری اور سرکشی کی سزا دی اور ان سے تمام نعمتیں سلب کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا سب سے بڑا بند سدِ مآرب ٹوٹ گیا اور یوں ایک خوفناک سیلاب قہرِ خداوندی بن کر ان پر ٹوٹ پڑا۔ اس سیلاب کی وجہ سے اس قوم پر ایسی تباہی آئی کہ جس علاقے میں سینکڑوں میلوں پر پھیلے ہوئے باغات تھے وہاں جنگلی جھاڑیوں اور بیریوں کے چند درختوں کے علاوہ ہریالی کا نام و نشان تک نہ رہا۔

﴿جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ﴾ ''دو باغات (کے سلسلے) تھے دائیں اور بائیں طرف۔''

﴿كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ﴾ ''کھاؤ اپنے رب کے رزق میں سے اور اُس کا شکر ادا کرو۔''

﴿بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾﴾ ''(تمہارا) شہر بہت پاکیزہ ہے اور (تمہارا)

رب بہت بخشنے والا ہے!‘‘

یعنی تمہارے لیے یہ ایک مثالی صورتِ حال ہے۔ رہنے کو تمہیں نہایت عمدہ‘ سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ عطا ہوا ہے اور تمہارا رب بھی بہت بخشنے والا ہے جو تمہارے ساتھ بہت نرمی کا معاملہ فرما رہا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ ’’تو انہوں نے اعراض کیا‘ چنانچہ ہم نے بھیج دیا اُن پر سیلاب بہت زور کا‘‘

اس قوم نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اعراض و سرکشی کی روش اختیار کی تو ان پر اللہ کا عذاب اس انداز سے آیا کہ ایک عظیم سیلاب نے ان کے بند کو توڑ دیا جس سے ان کی بستیاں تباہ ہو گئیں اور ان کے باغات کے سلسلے بھی برباد ہو گئے۔

﴿وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور ہم نے بدل دیے ان کے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ‘ جن میں کڑوے کسیلے پھل‘ جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ﴾ ’’یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو ان کے کفرانِ نعمت کی وجہ سے۔‘‘

﴿وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور ہم ایسا برا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکرے لوگوں کو۔‘‘

چند سال پہلے میرا ذہن پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے ان آیات کی طرف منتقل ہوا کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے دائیں اور بائیں کے دو خوبصورت باغات سے نوازا تھا۔ ایک باغ کا نام مغربی پاکستان تھا اور دوسرے کا مشرقی پاکستان۔ ہمارے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں باغات میں آزادی اور امن و امان کا ماحول فراہم کیا گیا تھا۔ دونوں جگہوں پر کسی نہ کسی حد تک بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ کی عملی تصویر نظر آتی تھی۔ پھر ہم بھی اپنے رب کی ناشکری کے مرتکب ہوئے‘ ہم نے بھی اس کی اطاعت سے اعراض کیا۔ چنانچہ ہمارے اس طرزِ عمل کے باعث ہم سے بھی بہت سی نعمتیں سلب کر لی گئیں اور پھر ہمیں معاشی بدحالی اور خطرات و خدشات کی اس حالت کو پہنچا دیا گیا جس کا سامنا ہم آج کر رہے ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ ’’(اے لوگو) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے‘ اس میں تمہارا ذکر ہے‘ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق قرآن کے اندر ہر قوم اور ہر انسان کو اپنے حالات کا عکس کہیں نہ کہیں ضرور نظر آئے گا‘ بشرطیکہ اسے پڑھنے والے اس کے ’’بین السطور‘‘ مطالب و مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ ہمیں ہلکے سے ہلکے درجے میں ہی سہی اس آیت کا تطابق اپنے قومی و ملکی حالات پر کر کے اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔

آیت ۱۸ ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً﴾ ’’ہم نے ان کے (علاقے) اور ان بستیوں کے درمیان جنہیں ہم نے برکت عطا کر رکھی تھی واضح نظر آنے والی بستیاں قائم کر دی تھیں‘‘

یہاں پر ’’بابرکت بستیوں‘‘ سے ارضِ فلسطین مراد ہے۔ اس ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں مذکور بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ کے الفاظ بھی مدنظر رہنے چاہئیں۔ آیت زیر مطالعہ میں دراصل اس زمانے کی ایک اہم شاہراہ کا ذکر ہوا ہے جس پر یورپ اور ایشیا کے مابین ہونے والی تجارت کے حوالے سے قومِ سبا کی اجارہ داری تھی۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے‘ یہ اپنے زمانے کی ایک بہت خوشحال اور طاقتور قوم تھی۔ ان کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا اور وہاں مختلف اقسام کی خوشبوئیں کثرت سے پیدا ہوتی تھیں۔ پرانے زمانے کے سیاحوں کے حوالے سے قومِ سبا کے بارے میں ایسی بہت سی معلومات تاریخ میں دستیاب ہیں۔ چنانچہ اپنے دور کی ایک طاقتور اور خوشحال قوم کی حیثیت سے مشرق و مغرب کے درمیان ہونے والی تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی (بعد میں ایک مدت تک اس تجارت پر قریشِ مکّہ کی اجارہ داری رہی جس کا ذکر سورۃ القریش میں آیا ہے)۔ ہندوستان‘ چین اور دیگر مشرقی ممالک سے آنے والا تجارتی سامان یمن کی بندرگاہ پر اُترتا تھا‘ جبکہ یورپ سے آنے والا سامان بحیرۂ روم (Mediterranean Sea) کے راستے فلسطین کی بندرگاہ پر پہنچتا تھا۔ چنانچہ یمن اور فلسطین کے درمیان قومِ سبا کے تجارتی قافلے اس سامان کی نقل و حمل کے سلسلے میں مذکورہ شاہراہ پر سارا سال رواں دواں رہتے تھے۔

یہ تجارتی شاہراہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے بہت پُرسکون‘ پرامن اور ہر لحاظ سے مثالی تھی۔ اس کی کیفیت یوں تھی کہ تقریباً سو میل کے فاصلے تک اس شاہراہ کے دونوں طرف

ان کے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد عین شاہراہ کے اوپر جگہ جگہ بستیاں اس طرح آباد تھیں کہ ایک بستی کی حدود ختم ہوتے ہی دوسری بستی کے آثار شروع ہو جاتے تھے۔ اس طرح تجارتی قافلے نہ صرف رہزنی وغیرہ کے خطرات سے محفوظ رہتے تھے بلکہ انہیں سفر و قیام کے دوران اشیاءِ ضرورت اور مطلوبہ سہولیات بھی ہر جگہ ہر وقت دستیاب رہتی تھیں۔

﴿وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ﴾ ''اور ہم نے اندازہ مقرر کر دیا تھا ان میں سفر کرنے کا۔''

یعنی ان کے درمیان سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ یہ آبادیاں شاہراہ کے عین کناروں پر اس طرح واقع تھیں کہ ایک آبادی سے دوسری آبادی تک کا درمیانی فاصلہ تیس چالیس میل کے لگ بھگ تھا اور یہ فاصلہ سفر کی منزلوں کے حساب سے رکھا گیا تھا تاکہ ہر منزل پر قافلوں کو قیام و طعام کی مطلوبہ سہولیات آسانی سے میسر آسکیں۔

﴿سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝۱۸﴾ ''(ہم نے انہیں کہہ دیا تھا کہ) تم سفر کرو ان میں راتوں کو بھی اور دن کو بھی امن کے ساتھ۔''

یعنی ان میں رات دن بے خوف و خطر سفر کرو۔

آیت ۱۹ ﴿فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ ''تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کے درمیان دوری پیدا کر دے''

ان کی یہ خواہش یا دُعا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور مہربانیوں کی ناقدری کی عبرت انگیز مثال ہے۔ گویا وہ سفر کے مذکورہ مثالی انتظامات سے اُکتا چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ پُرامن اور پُرسکون سفر کرتے کرتے تن آسانی اور سہل انگاری کا شکار ہو جائیں گے۔ انہیں زعم تھا کہ وہ بہادر اور مہم جو قسم کے لوگ ہیں اور ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی کہ ان کے سفر لمبے ہو جائیں تاکہ سفر کے دوران انہیں مشکلات و خطرات کا سامنا ہو جن کا وہ مردانہ وار مقابلہ کریں اور یوں انہیں مہم جوئی اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملے۔

﴿وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ﴾ ''اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔''

اس زمانے میں یمن تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناشکریوں اور نافرمانیوں کے سبب اس قوم کا ایسا نام و نشان مٹا کہ اب دنیا میں ان کی صرف داستانیں ہی باقی

رہ گئی ہیں۔ قوم سبا پر سیلاب کے عذاب کا واقعہ بہت زیادہ پرانا نہیں۔ حضور ﷺ کی ولادت سے تقریباً سوا سو سال قبل یعنی ۴۵۰ عیسوی کے لگ بھگ یہ واقعہ پیش آیا۔ بند ٹوٹنے کی وجہ سے یہ علاقہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تو زندہ بچ رہنے والے لوگ عراق اور عرب کے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ خود اوس اور خزرج کے قبائل کا تعلق بھی یمن سے تھا اور یہ لوگ اس علاقے کی تباہی کے بعد یمن سے یثرب میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ قوم سبا کی تباہی کے بعد مذکورہ تجارتی شاہراہ پر قریش مکہ کی اجارہ داری قائم ہو گئی اور جس زمانے میں حضور ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا اس زمانے میں قریش کے تجارتی قافلے جنوب میں یمن اور شمال میں شام و فلسطین کے درمیان آزادانہ سفر کرتے تھے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۱۹﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو بڑا صبر کرنے والا' شکر کرنے والا ہو۔''

آیت ۲۰ ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ ''اور یقیناً ابلیس نے اُن کے بارے میں اپنا گمان سچ کر دکھایا''

﴿فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۰﴾ ''سو ان سب نے اس (ابلیس) کی پیروی کی' سوائے مؤمنین کی ایک جماعت کے۔''

آیت ۲۱ ﴿وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''اور اس کو ان پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا''

ابلیس کا انسانوں پر کوئی زور نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف مہلت دے رکھی ہے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ انسانوں کو حیلے بہانے سے ورغلاتا اور انہیں سبز باغ دکھاتا ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا اور اسے یہ مہلت بھی انسانوں کی آزمائش کے لیے دی گئی ہے۔

﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''مگر یہ کہ ہم دیکھ لیں کہ کون ہے جو آخرت پر یقین رکھتا ہے''

تاکہ آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگوں کی پہچان ہو جائے اور انہیں ہم چھانٹ کر الگ کر لیں:

﴿مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۲۱﴾ ''ان لوگوں سے جو اس سے متعلق شک میں ہیں۔ اور آپ کا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے۔'' ❁❁

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۵)

حَظِّ عَظیم

سورۂ حٰمٓ السّجدۃ کی آیات کی روشنی میں

شجاع الدین شیخ ☆

آج ہم سورۂ حم السّجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ کی روشنی میں ''حظِّ عظیم'' یعنی بہت بڑے نصیب کی بات کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ پہلے دیکھتے ہیں کہ آج کے درس میں سورۃ العصر کی آیات کی وضاحت کس طرح آرہی ہے۔ آج کے درس میں لوازمِ نجات کی پہلی شرط ایمان کے حوالے سے ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی اللہ عزوجل پر ایمان، رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کا ذکر ہے۔ ایمان باللہ کے ذیل میں یہاں اللہ کو رب تسلیم کرنے کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا بیان بھی آئے گا۔ ایمان بالرسالت کے حوالے سے فرشتوں پر ایمان کے ذیل میں دنیا و آخرت میں فرشتوں کا نزول اور اہلِ ایمان کے خوف و حزن کے دور ہو جانے کی بات بھی آئے گی۔ آخرت پر ایمان کے ذیل میں جنت میں من پسند زندگی کی خوشخبری بھی آج کی زیرِ مطالعہ آیات میں مذکور ہے۔ نجات کے لوازم میں دوسری شرط ''عملِ صالح'' کے حوالے سے آج کے درس میں استقامت کا بیان آیا ہے۔ لوازمِ نجات کی تیسری شرط ''تواصی بالحق'' کے ذیل میں دعوت الی اللہ کا ذکر ہے، اور چوتھی شرط ''تواصی بالصبر'' کے ذیل میں دعوت کے نتیجے میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کا بیان آیا ہے۔

مزید یہ کہ لوازمِ نجات کی چار شرائط کی بلند ترین منازل کا بیان بھی آج کے درس میں موجود ہے۔ اللہ کے رب ہونے کا اقرار، اس پر استقامت، دعوت الی اللہ اور برائی کا جواب بھلائی سے دینا، یہ چار بلند ترین منازل ہیں جو بالترتیب ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی

تواصی بالصّبر سے تعلق رکھتی ہیں۔

آج کا ہمارا درس سورۂ حم السّجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ کے مطالعہ پر مشتمل ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان آیات کا ایک رواں ترجمہ سمجھ لیں، تاکہ بعد ازاں ان آیات کی تفہیم اور تدبّر میں آسانی ہو:

''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے، پھر اس پر جم گئے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) کہ نہ غم کھاؤ اور نہ خوف، اور بشارت حاصل کرو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لیے وہاں وہ سب کچھ ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو تم طلب کرو گے۔ یہ مہمان نوازی ہوگی اُس (اللہ) کی طرف سے جو بڑا بخشش فرمانے والا، نہایت رحیم ہے۔ اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں بھی مسلمانوں ہی میں سے ہوں۔ اور (ہرگز) برابر نہیں ہے نیکی اور بدی۔ آپ (بدی کو) دفع کریں نہایت احسن طریقے سے تو (اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ) وہ شخص جس کے اور آپؐ کے مابین عداوت تھی، (آپؐ کا) دلی دوست جیسا ہو جائے گا۔ اور یہ خوبی نہیں دی جاتی سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا، اور یہ اچھائی نہیں دی جاتی مگر بڑے نصیب والوں کو۔ اور اگر (کبھی) شیطان کی جانب سے تمہیں کوئی وسوسہ ورغلائے تو فوراً اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

رب اور استقامت کا مفہوم

اب ہم ان آیات کے مضامین پر غور و فکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیت ۳۰ میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰﴾ ''بیشک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر اس پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ کچھ غم کرو اور خوشخبری لو اس جنت کی جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا تھا''۔ پہلے ''رب'' کی اصطلاح کو سمجھتے ہیں۔ رب کے معنی میں یہ باتیں شامل ہیں: مالک ہونا، بالادست ہونا، انتظام کرنا۔ امام راغب اصفہانی نے ''مفردات القرآن'' میں اس کی وضاحت میں فرمایا کہ کسی شے

کو درجہ بدرجہ ابتدا سے آخری حد تک لے جانا۔یعنی جو ہستی کسی شے کو ابتدا سے انتہا تک اور درجۂ کمال تک پہنچا دے‘ اسے رب کہتے ہیں۔لفظ رب کا ایک معنی آقا اور مالک ہے اور اکثر و بیشتر قرآن حکیم نے اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔اس کا ایک معنی ضروریات پوری کرنے والا اور پروان چڑھانے والا بھی ہے۔ جو کسی شے کا مالک ہوتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو نشو ونما دینے کی کوشش بھی کرتا ہے۔اس معنی کا کامل مصداق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہی حقیقی رب ہے جو تمام روحانی اور مادی ضروریات پوری فرماتا ہے۔ ماں کے بطن سے لے کر اس دنیا میں آنے اور پورا انسان بن کر کھڑے ہونے تک اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کام میں لگا رکھا ہے۔

ایک اور اہم اصطلاح جو زیر مطالعہ آیت میں ہمارے سامنے آئی وہ ’’استقامت‘‘ ہے‘ یعنی اللہ کو اپنا رب مان لینے کے بعد اس پر استقامت کا مظاہرہ کرنا۔لفظ استقامت میں پوری قیامت موجود ہے۔اس اصطلاح کے بارے میں یہ سمجھئے کہ یہ کل تعلیماتِ دینی کا خلاصہ وعطر ہے۔صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے‘ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ’’اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتایئے کہ میں آپ ﷺ کے بعد اس بارے میں کسی اور سے کچھ نہ پوچھوں‘‘۔آپ ﷺ نے فرمایا: ((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ))(۱) ’’کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ڈٹ جا‘‘۔اللہ کو مان کر اس پر ڈٹ جانا استقامت ہے۔استقامت کے معنی میں ڈٹ جانا‘ جم جانا‘ جھیلنا‘ برداشت کرنا سب شامل ہیں۔

استقامت کے دو پہلو ہیں: (۱) استقامت ظاہری‘ جس میں عبادتِ رب یعنی اللہ کی کُلّی عبادت کرنا‘ اللہ کی مرضی کو جاری وساری کرنا‘ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اللہ کی نافرمانی کو مٹانے کے لیے تن‘ من اور دھن لگانا شامل ہے۔ (۲) استقامت باطنی‘ اس کا تعلق ہمارے قلب اور باطن کی کیفیات سے ہے۔اس میں اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہنا‘ ہر نعمت کو اللہ ہی کی عطا سمجھنا‘ اس پر شکر کرنا نہ کہ اترانا‘ اللہ ہی سے ڈرنا‘ اللہ پر ہی توکل کرنا اور اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کرنا شامل ہے۔

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب جامع الاوصاف الاسلام

دنیا میں فرشتوں کا نزول

اللہ کی ربوبیت پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔آخرت میں تو فرشتے ہوں گے ہی‘ کوئی اہلِ جنت کا استقبال کر رہا ہوگا‘ کوئی انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں فراہم کر رہا ہوگا‘ لیکن دنیا میں بھی کئی مواقع پر فرشتوں کا نزول ہوا کرتا ہے۔جس طرح شیطان انسان کو برائی پر اُکساتا ہے‘ اسی طرح نیکی پر انسان کی حوصلہ افزائی کے لیے فرشتوں کا نزول بھی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ یہ احساس اور یہ موقع ہم سب کو عطا فرمائے۔اسی طرح معرکۂ حق وباطل میں لوگوں کی نصرت کے لیے بھی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔جیسے غزوۂ بدر کے بارے میں سورۃ الانفال میں فرشتوں کے نزول کا تذکرہ آتا ہے۔اسی بارے میں شاعر نے کہا تھا: ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

اسی طرح قرآن حکیم کے سیکھنے سکھانے کی محافل میں بھی فرشتے موجود ہوتے ہیں۔مسلم شریف کی روایت میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ))(۲)

’’کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کو پڑھنے اور باہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جمع ہوں‘ مگر یہ کہ اُن پر اللہ کی سکینت کا نزول ہوتا ہے اور رحمتِ خداوندی انہیں اپنے سائے میں لے لیتی ہے‘ اور ملائکہ ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں‘ اور اللہ تعالیٰ ملائکہ مقربین کی محفل میں اُن کا ذکر کرتا ہے۔‘‘

اسی طرح نیک لوگوں کی حالتِ نزاع کے وقت بھی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔اس حوالے سے سورۃ النحل میں فرمایا گیا: ﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ

(۲) صحیح مسلم‘ کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار‘ باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن والذکر۔ وسنن الترمذی وسنن ابی داؤد۔

عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ ’’جب فرشتے پاکیزہ لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو‘ داخل ہو جاؤ جنت میں ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے رہے‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ہی خاتمہ عطا فرمائے۔

آگے یہ بتایا کہ فرشتوں کا نزول خوف وحزن کے خاتمے کی بشارت کے ساتھ ہوتا ہے۔ خوف مستقبل کے بارے میں اندیشے پر مبنی ہوتا ہے‘ جبکہ حزن ماضی کے افسوس ناک واقعات پر ہوتا ہے۔ اللہ کو رب مان کر استقامت کا مظاہرہ کرنے والے خوف اور حزن سے پاک کر دیے جاتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زوالِ خوف وحزن کی نعمت مقامِ ولایت پر حاصل ہوتی ہے۔ سورۂ یونس میں اولیاء اللہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے دوستوں کے لیے نہ تو (کسی طرح کا) خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) بچتے رہے‘‘۔ اولیاء اللہ کو اپنے ماضی پر کوئی افسوس نہیں ہوتا‘ اس لیے کہ ان کو یقین ہے کہ جو ہوا اللہ کے حکم سے ہوا۔ پھر انہیں آنے والے کل یعنی مستقبل کا بھی کوئی خوف نہیں ہوتا‘ کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ جب وہ اللہ عزوجل کے بندے بن کر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر استقامت کا مظاہرہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اولیاء میں شامل فرمائے۔ آمین!

ربوبیتِ الٰہی پر ڈٹ جانے والوں کے لیے انعاماتِ الٰہیہ

آیات ۳۱‘ ۳۲ میں ارشاد ہوا: ﴿نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾﴾ ’’ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں‘ اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارے جی چاہیں گے اور تمہارے لیے اس (جنت) میں وہ سب ہوگا جو تم مانگو گے۔ غفور ورحیم کی طرف سے یہ ابتدائی مہمانی ہوگی‘‘۔ نُزُل اس شے کو کہتے ہیں جو مہمان کے سواری سے اترتے ہی اسے پیش کی جاتی ہے‘ جیسے فوری طور پر موسم کے اعتبار سے کوئی ٹھنڈی یا گرم شے پیش کی جاتی ہے‘ جبکہ مہمان کی اصل ضیافت تو بعد میں ہوتی ہے۔

آیئے جنت کی نعمتوں پر گفتگو کرتے ہیں۔ جنت کی نعمتوں کی اقسام میں پہلی تو وہ چیزیں

ہوں گی جو نفسانی خواہشات کی تکمیل کرتی ہیں اور یہ نعمتیں بغیر طلب کے عطا کی جائیں گی۔ دوسری قسم نعمتوں کی وہ ہوگی جو جنتی طلب کریں گے۔ تیسری قسم کی نعمتیں وہ ہوں گی جن کا دنیا میں کوئی تصور ممکن نہیں۔ ان نعمتوں کا بیان اگلی آیت میں آ رہا ہے اور ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ))(۳) ’’میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں کہ جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں‘ نہ کسی کان نے کبھی سنیں اور نہ ہی کبھی کسی انسان کے دل پر اُن کا کوئی خیال یا احساس وارد ہوا‘‘۔ آپ خود سوچیے کہ اللہ عزوجل میزبان ہو اور بندہ مہمان ہو تو ربِ کائنات کی میزبانی کی شان کا کیا تصور ہوگا۔ اے اللہ! ہم آپ سے جنت الفردوس کا سوال کرتے ہیں‘ ہمیں بھی یہ سب نعمتیں عطا فرمانا۔ آمین!

انسان کی بہترین صلاحیت کا بہترین مصرف

اگلی آیت میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھا عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں‘‘۔ اس آیت میں دعوت الی اللہ کو بہترین بات قرار دیا گیا ہے۔ انسان کی قوتِ بیان کا سب سے اچھا مصرف دعوت الی اللہ ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمایا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾﴾ ’’رحمٰن نے قرآن کو سکھایا‘ انسان کو پیدا فرمایا اور اسے بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی‘‘۔ ان چار آیات میں چار بہترین باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اللہ کی صفات میں چوٹی کی صفت جس کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے وہ ’’رحمٰن‘‘ ہے۔ بندے کو جو چوٹی کا علم عطا فرمایا وہ ’’قرآن‘‘ ہے۔ اللہ کی بہترین مخلوق ’’انسان‘‘ ہے۔ انسان میں ’’بولنے کی صلاحیت‘‘ اس کی بہترین صلاحیت ہے۔ چنانچہ اللہ کی بہترین مخلوق کو اپنی بہترین صلاحیت قرآن سیکھنے اور سکھانے میں لگانی چاہیے اور اس کی قوتِ بیان کا اس سے بہتر کوئی اور مصرف نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب بدء الخلق‘ باب ما جاء فی صفة الجنة وانما مخلوقة۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها۔ واللفظ له۔

قوتِ بیان کا منفی استعمال بھی ہوتا ہے اور مثبت استعمال بھی۔ منفی استعمال میں مجلسی برائیاں جیسے غیبت' ذاتی مفادات کے لیے جھوٹے مقدمات کی وکالت کرنا' اجتماعیت میں تخریب کے لیے افواہ پھیلانا یا دینی اجتماعیت میں نجویٰ کے ذریعے قیادت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا' شر کی دعوت جیسے وطنی' لسانی یا نسلی عصبیت کی دعوت دینا' گانوں' ڈراموں اور فلموں کے ذریعے بے حیائی کی دعوت دینا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے برعکس قوتِ بیان کے مثبت استعمال کے طور پر اساتذہ کا مفید علوم کے لیے درس و تدریس کرنا اور خیر کی دعوت جیسے خدمت خلق کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم قوتِ بیان کا بہترین استعمال دعوت الی اللہ کا ہے' یعنی کسی مسلک یا فرقے کی طرف نہیں بلکہ توحید اور ہر سطح پر اللہ کی بندگی کی دعوت دینا قوتِ بیان کا بہترین مصرف ہے۔

دعوت الی اللہ کی اہمیت اور اس کے تقاضے

دعوت الی اللہ کے حوالے سے چند نکات پیش خدمت ہیں۔ دعوت الی اللہ تواصی بالحق کا نقطۂ عروج ہے اور یہ مقصدِ اُمت بھی ہے۔ ختمِ نبوّت کے بعد یہ ذمہ داری اُمت کے کاندھوں پر ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ میں ارشاد ہوا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ ''(مسلمانو) تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ ایمان لانے والے تو پہلے بھی تھے' کیونکہ اپنے دور کے ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے مؤمن تھے' جبکہ یہاں ایمان کا بیان بعد میں ہے اور کام کا بیان پہلے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُمتِ محمد ﷺ صرف کلمہ پڑھ کر مطمئن نہ ہو جائے بلکہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا اس پر فرض ہے۔

دعوت الی اللہ کے حوالے سے ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ مؤکّد ترین سنت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ۲۳ برس کی سنت 'دعوت الی اللہ' ہے۔ سورۂ یوسف (آیت ۱۰۸) میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلاتا ہوں' پورے شعور کے ساتھ' میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی''۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے اتباع

میں سب سے بڑا کام دعوت اِلی اللہ ہے۔

دعوت اِلی اللہ کے بارے میں یہ نوٹ کر لیں کہ اس میں تدریج بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ یہ کام پہلے اپنے گھر' پھر محلّہ' پھر شہر' پھر ملک اور بالآخر ساری دنیا کو ہدف بنا کر کرنا ہوگا۔ سورۃ التحریم میں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (آیت ۶) ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ''۔ چنانچہ دعوت صرف اصلاحی باتوں تک محدود نہ رہے' بلکہ انقلابی کام بھی کرنا ہے۔ دعوت الی اللہ کا ہدف اقامت دین یعنی دین کے قیام کی جدوجہد ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ طائف بھی گئے ہیں اور غزوات میں بنفسِ نفیس شرکت بھی فرمائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا مشن اللہ کے دین کا قیام تھا۔ دعوتِ دین انفرادی سطح پر بھی دی جانی چاہیے اور اجتماعی سطح پر بھی۔ البتہ دعوت الی اللہ کا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو دعوت کا بنیادی ذریعہ بنایا۔ سورۂ قٓ کی آخری آیت میں فرمایا گیا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اس قرآن حکیم کے ذریعے سے خبردار کیجیے اسے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو''۔ قرآن حکیم بار بار بتاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تلقین کی گئی کہ قرآن حکیم کے ذریعے سے بشارت اور انذار کا کام کیجیے۔ حتیٰ کہ سورۃ الفرقان میں فرمایا: ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے ساتھ اس (قرآن) کے ذریعے بڑا جہاد کیجیے''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس آیت میں عمل صالح کا بھی ذکر آیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل دعوت کا لازمی تقاضا ہے۔ سورۃ الصّف میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں''۔ چنانچہ دعوت دینے والے کا عمل ان باتوں کے مطابق ہونا چاہیے کہ جن کی طرف وہ لوگوں کو بلا رہا ہے۔ تاہم ایک اہم نکتہ اس حوالے سے یہ بھی ہے کہ تکمیل عمل تک دعوت کے کام کو مؤخر کرنا درست نہیں۔ یہ تو کہا ہی نہیں جا سکتا کہ کوئی شخص سو فیصد پاک ہو جائے گا۔ معصوم تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوا کرتے تھے' باقی لوگوں سے خطا اور غلطی کا امکان تو ہر وقت موجود رہتا ہے۔ چنانچہ ہونا یہ چاہیے کہ اپنے عمل کی اصلاح بھی جاری رہے' گناہوں سے بچتا بھی رہے اور دعوت کا کام بھی جاری

رکھے۔ دعوت بھی عمل میں اصلاح پیدا کرتی ہے‘ اس لیے کہ عمل میں کوتاہی پر داعی کو اس کا ضمیر ضرور جھنجوڑے گا اور وہ بالآخر عمل میں کوتاہی چھوڑ دے گا۔ پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ دعوت بلاعمل کے اثرات بھی محدود ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی ؓ کا قول ہے کہ یہ دیکھو کہ کیا کہا جا رہا ہے‘ یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے۔ بات خیر کی ہوگی تو کوئی نہ کوئی قبول کر لے گا۔

ایک اور اہم بات اس آیت میں یہ آئی کہ دعوت دینے والا کہے کہ میں بھی عام مسلمانوں میں سے ہوں۔ اس کلمۂ تواضع اور انکساری سے تکبر پیدا کرنے کے شیطانی حملے سے حفاظت ہوتی ہے۔ داعی جس کو دعوت پیش کر رہا ہے‘ اسے حقیر نہ سمجھے‘ ورنہ تکبر میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ داعی کو فرقہ وارانہ تقسیم سے اعلانِ براءت کرنا ہوگا اور اسے متفق علیہ امور کی دعوت دینی ہوگی۔ تمام مکاتب فکر کا احترام ہونا چاہیے مگر اختلافی امور کی دعوت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

برائی کو بھلائی سے دفع کرنا: صبر کی اعلیٰ منزل

آیت ۳۴ میں فرمایا: ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴﴾ ’’اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں۔ جواب دو (بدی کا) اس طور پر جو بہت اچھا ہو‘ تو وہ کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے‘ ایسے ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست‘‘۔ دعوت کے سلسلے میں یہ ایک اہم رہنمائی‘ صبر کا اہم تقاضا اور اس کی اعلیٰ ترین منزل ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دینا ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیں کہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں جب باطل سے ٹکراؤ کا مرحلہ آئے گا تو اللہ کے باغیوں اور دین کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کی گردنیں بھی اڑائی جائیں گی‘ اس لیے کہ صبر کی روش صرف دعوتِ دین کے مرحلے تک ہے اور جب باطل سے ٹکراؤ کا مرحلہ آ جائے تو پھر ایک داعی کو اس شعر کا مصداق بن جانا چاہیے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

آگے فرمایا: ﴿وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵﴾ ’’اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر ان کو جنہوں نے صبر کیا۔ اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر ان کو جو بڑے

نصیب والے ہیں‘‘۔ برائی کے جواب میں خاموش رہنا بھی آسان نہیں‘ لیکن اس کا جواب بھلائی سے دینا واقعی مشکل‘ بہت بڑی سعادت اور بڑے نصیب کی بات ہے۔ دنیا والے اسے نصیب والا کہتے ہیں جس کے پاس مال و دولت ہو‘ جبکہ اللہ عزوجل نصیب والا اسے کہتا ہے جو دین کا کام کرے‘ آنے والی مشکلات پر صبر کرے اور اس سے آگے بڑھ کر برائی کا جواب بھلائی سے دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں شامل فرمائے۔

شیطان سے اللہ کی پناہ میں آنا

آج کے درس کے حوالے سے آخری آیت ۳۶ ہے جہاں آ کر موضوع مکمل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کے حوالے سے متنبہ فرما رہا ہے: ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶﴾ ’’اور اگر لگ ہی جائے شیطان کی طرف سے تجھے کوئی چوک تو اللہ سے پناہ کی التجا کر۔ بیشک وہ سننے والا اور سب علم رکھنے والا ہے‘‘۔ شیطان کبھی نہیں چاہے گا کہ کوئی بھی دعوتِ دین کا کام خوش اسلوبی سے کرے‘ اسی لیے یہاں اس کے حملے سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی تلقین کی گئی ہے۔ شیطان کے حملے سے کوئی محفوظ نہیں اور اللہ سے قربت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر بھی اس کا خطرہ برقرار رہتا ہے۔ لہٰذا اللہ کی پناہ میں آنے کے لیے خصوصی دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۃ المؤمنون میں بھی اس حوالے سے دعا سکھائی گئی ہے‘ فرمایا: ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝۹۷ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝۹۸﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) یوں دعا کیجیے کہ اے اللہ! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں‘‘۔ اس دعا کو ہمیں اپنے معمولات میں شامل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ شیطان کا مقابلہ ہم اپنے بل بوتے پر نہیں کر سکتے جب تک کہ اللہ کی نصرت اور تائید ہمیں حاصل نہ ہو جائے۔

الحمدللہ‘ آج کے درس کا اختتام ہوتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان قرآنی تعلیمات پر جو اس درس میں حاصل ہوئیں‘ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا استحکام اور اس کی توسیع

شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح زاویے اور سامان کی ترتیب بدل کر ایک چھوٹے سے کمرے کے بہت سے فوٹو تیار کیے جاسکتے ہیں' اسی طرح اگر نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بحرِ بیکراں پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار و بے نہایت مسائل وفوائد موجود نظر آئیں گے۔ اگر بڑے سے بڑے عالم کی پوری علمی قوت حیاتِ طیبہ کے ایک ایک گوشہ پر صرف ہو تو اس کا علم اور اس کی عمر کے تجربات اس بحر بیکراں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ نظر آئیں گے ——!!

جناب رسالت مآب ﷺ کی بعثت کے وقت فقط ملکِ عرب کے حالات پر نظر ڈالنا کافی نہیں ہے' بلکہ ساری دنیا کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے' کیونکہ آپؐ نبی عرب نہیں بلکہ نبی عرب وعجم تھے' نبی بنی نوعِ انسان تھے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸)

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ (الانبیاء)

دیکھنا یہ چاہیے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت پوری دنیا میں اخلاق وکردار کی کیا حالت تھی۔ چھٹی صدی عیسوی جس کے آخری حصہ میں یہ آفتاب طلوع ہوا ایک اندھیری رات تھی' جس پر گمراہیوں اور ظلم وستم کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ دولت پر غرور' جاگیر وجائیداد پر گھمنڈ' نسلی اور خاندانی اونچ نیچ' اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں کو نیچا سمجھنا' یہاں تک کہ ان سے چھوت چھات کرنا' غریبوں کو دبانا' کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا' عورتوں کو ایک خدمت گزار جاننا' شوہروں کے مرنے کے بعد ان کی زندگی کو اکارت ماننا' یہاں تک کہ ان کی خودکشی کو ان کے لیے ذریعۂ نجات سمجھنا' خدا کا انکار کرنا —— یا سینکڑوں' ہزاروں دیوی دیوتاؤں کے سامنے

ماتھا رگڑنا' مَن مانی باتوں کو مذہب اور دھرم سمجھ لینا' خودغرضی' بے رحمی' سود' زنا' شراب' رشوت' جوا' وغیرہ ایسی بیماریاں تھیں جن کی وبا پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس وقت کی مہذب دنیا وسط ایشیا' ایران' ہندوستان' یا مشرقی یورپ تک ہی محدود تھی۔ باقی مغربی یورپ اُس زمانہ میں تہذیب وتمدن سے اتنا بعید تھا کہ شہروں اور قصبوں کی باقاعدہ آبادیاں بھی نہیں تھیں۔ ایک ہی جیسی جھونپڑیوں یا پہاڑی گھاٹیوں میں انسان اور ان کے مویشی ساتھ ساتھ رہتے تھے' فرق بہت معمولی ہوتا تھا۔ افریقہ میں کچھ عرصہ پیشتر تک بھی ایسے نمونے ملتے تھے۔ اور امریکہ تو صرف چار سو سال سے انسانی ممالک کے زمرے میں داخل ہوا ہے۔

عرب میں قبائلی زندگی تھی' ان کی فطرت جنگجو تھی۔ وہ ایک بڑے آدمی کے قتل کے بدلہ میں بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس کا خون بہا بھی عام آدمی کی دیت سے زیادہ ہوتا تھا۔

ان حالات میں جناب رسالت مآب ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے صحیح عقائد بتلائے' اچھے اعمال سکھلائے' اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دی۔ تمام مسلمانوں کو مساوات کا سبق سکھایا' غریب پروری کی روح پھونک دی۔ حتیٰ کہ انفاق اور ایثار اس قدر عام ہوا کہ اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ استحصال کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم صداقت وعدالت وانصاف کا بہترین نمونہ ہوگئے' جنہیں دیکھنے والے کافر بھی واسطہ پڑنے پر اور تھوڑا بہت میل جول بڑھنے پر داخلِ اسلام ہوجاتے تھے۔

قرآن کریم میں شہنشاہیت' ڈکٹیٹرانہ شان اور آمرانہ طرزِ حکومت کی مذمت کی گئی ہے۔ فرعون کا ذکر جابجا فرمایا گیا ہے' اور شورائی نظام کی تعریف فرمائی گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنا کر اس کی بنیاد ڈالی۔ ارشاد ہوا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

خزانے پر خزانے جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی اور استحصال کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ معاشرتی خرابیاں انسان کی فطری کمزوریاں ہوتی ہیں۔ اگر وہ اپنی اصلاح کا عزم کرے تو اصلاح ہوجاتی ہے' اس لیے انہیں نیا نہیں کہا جاسکتا۔ اگر مالدار ہونے کے باوجود نیویارک جیسے عظیم مادی ترقی کے مظہر شہر میں صرف چند گھنٹے بجلی غائب ہونے پر ہر آدمی ڈاکو بن سکتا ہے تو اُس زمانہ میں قریش میں بھی اس کی مثالیں تھیں۔ اگر آج غریبوں کا استحصال ہورہا ہے تو یہ بات بھی نئی نہیں' اُس زمانہ میں بھی ایسا ہوتا تھا۔

والد ماجد (شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں ؒ) نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تصنیف سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ ﷺ میں ان حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ مقامی اور سماجی حالات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) عرب میں بادشاہت نہیں تھی' ہر ایک قبیلہ آزاد ہوتا تھا۔ شیخ قبیلہ اندرونی نظام کا نگران ہوتا تھا۔ مکہ میں اس نظام نے چھوٹے سے جمہوریہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ صدر جمہوریہ تو پھر بھی کوئی نہیں تھا' البتہ قبائل کی ایک مشترک جماعت (کونسل) تھی۔ اس نے شہری' سماجی اور انتظامی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر تقریباً ایک درجن شعبے (پورٹ فولیو) بنائے تھے اور ہر شعبہ کا سربراہ منتخب کر دیا تھا۔ مثلاً مقدماتِ قتل کا ایک خاص شعبہ تھا' اس کے سربراہ ابوبکر صدیق ؓ تھے' شعبۂ سفارت کے ذمہ دار حضرت عمر فاروق ؓ تھے۔ اسی طرح باقی شعبوں کے ذمہ دار علیحدہ علیحدہ تھے۔ ان میں سے صرف ابوبکر صدیق ؓ وہ تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کئی سال بعد مسلمان ہوئے۔ باقی شعبوں کے ذمہ دار یا مسلمان ہی نہیں ہوئے' یا اگر مسلمان ہوئے تو بہت بعد میں۔

اس مشترک جماعت کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ اس مقام کا نام ''دارالندوہ'' تھا جہاں یہ اجلاس ہوا کرتے تھے۔ کوئی غیر معمولی معاملہ ہوتا تو اراکین کے علاوہ بھی نمایاں افراد کو خاص طور پر مدعو کر لیا جاتا تھا۔

(۲) حرب بن امیہ' ولید بن مغیرہ' عاص بن وائل' عتبہ بن ربیعہ' ابولہب' ابوجہل' امیہ بن خلف' ابی بن خلف' عقبہ بن ابی معیط' نضر بن حارث' اسود بن عبد یغوث بڑے بڑے دولت مند تھے۔ یہ تاجر بھی تھے' صاحبِ جائیداد بھی۔ سودی کاروبار بھی بڑے پیمانہ پر کرتے تھے اور ان تمام خصوصیتوں کے مالک تھے جو سرمایہ داروں میں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً ابولہب' جو آنحضرت ﷺ کا چچا بھی تھا اور ہمیشہ مخالفت میں پیش پیش رہا' اس کا سودی لین دین وسیع پیمانے پر تھا اور اس کے حرص وطمع کی یہ حالت تھی کہ اس نے خانہ کعبہ کے خزانہ سے سونے کا ہرن چوری کر کے بیچ ڈالا تھا۔ یہ ہرن بہت عرصہ سے محفوظ چلا آتا تھا۔ عاص بن وائل بہت بڑا دولت مند اور اپنے قبیلہ کا مشہور سردار تھا' مگر حضرت خباب ؓ سے اس پر جھگڑا ہوا کہ انہوں نے لوہے کی کوئی چیز بنا کر اس کو دی تھی۔ وہ اس کی اجرت مانگتے تھے اور یہ جان چراتا تھا۔ یہی عاص بن وائل تھا

جس نے یمن کے ایک تاجر کو اس لیے مار پیٹ کر بھگا دیا تھا کہ اس نے اپنے دام مانگے' جس سے تمام مکہ والوں کی بدنامی ہوئی۔

قرآنِ شریف نے کسی کا نام نہیں لیا' مگر اس کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج اور معاشرہ کا اونچا طبقہ جو مکہ پر چھایا ہوا تھا' جو اس لحاظ سے خوش نصیب مانا جاتا تھا کہ ان کے یہاں دولت کے انبار بھی ہوتے تھے اور فرمانبردار اولاد کی بھی کمی نہیں ہوتی تھی' اس کے اخلاق اور اوصاف یہ تھے:

(ا) اپنی اس خوش نصیبی پر کہ وہ صاحبِ مال اور صاحبِ اولاد ہیں' ان کو گھمنڈ اور غرور ہوتا تھا۔

(ب) جو اُن سے کم ہوتے تھے' ان کو حقیر سمجھتے اور طرح طرح کے طعنے دیتے تھے ـــــ!!

(ج) اپنے اثر ورسوخ اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے جھوٹی قسم کھانے سے ان کو عار نہ آتی تھی' بلکہ بڑھ چڑھ کے قسمیں کھاتے۔ دوسروں کو لڑانے اور اپنے مخالفوں کو زک پہنچانے کے لیے بے دھڑک چغلیاں اور طرح طرح کا شرارت آمیز پروپیگنڈہ کرتے تھے۔

(د) کمزور پر ظلم کرنا ان کی عادت تھی۔

(ہ) نرم مزاجی اور اخلاق سے ناآشنا تھے۔ نیک کام نہ خود کرتے نہ دوسروں کو کرنے دیتے۔

(و) غریبوں کی امداد کا کوئی موقع ہوتا تو اس میں روڑے اٹکاتے' نہ خود خرچ کرتے نہ دوسروں کو خرچ کرنے دیتے۔

(ز) اخلاق سے ناآشنا' سخت دل' خشک مزاج' طبیعت کے رُوکھے۔

(ح) رات دن تجوری بھرنے کی کوشش میں مصروف رہتے۔ اس تصور سے ناآشنا تھے کہ یہ دولت ختم ہونے والی بھی ہے۔

(ط) خدا سے بے تعلق' خداپرستی سے بیگانہ' کج بحث' زباں زوری سے اپنے عیبوں کو چھپانے والے۔

یہی لوگ تھے جو پورے مکہ پر چھائے ہوئے تھے' اور چونکہ مکہ ہر لحاظ سے پورے عرب کا مرکز تھا تو ان کے اثرات پورے عرب پر غالب تھے۔ ایک شخص جس نے بچپن' جوانی اور ادھیڑ عمر کا ایک حصہ شہر کی گھلی ملی زندگی میں اس طرح گزارا ہو کہ وہ لوگوں کی آنکھ کا تارا بنا رہا ہو' اس کی زندگی میں خاص طرح کی تبدیلی آئے' اس کے کچھ ساتھی ہو جائیں' ان میں وہ بھی ہوں

جوشہری زندگی میں اونچا درجہ رکھتے ہوں (جیسے ابوبکرؓ)' کچھ مالدار گھرانوں کے نوجوان ہوں (جیسے حضرت عثمان بن عفان' عبدالرحمٰن بن عوف اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم) اور یہ سب ایک خاص قسم کی انقلاب انگیز زندگی بنانے لگیں۔ مان لیجیے یہ کسی کو اپنی طرف نہیں بلاتے' مگر کیا خود ان کا عمل اور غیر معمولی انداز لوگوں کو متوجہ نہیں کرے گا؟ خصوصاً وہ بڑے لوگ جو اپنے اقتدار کو سنبھالنے کے لیے ہر خطرہ کے موقع پر خوردبین سے کام لیتے ہیں' کیا وہ ان کے طرزِ زندگی سے ہراساں اور چوکنے نہیں ہوں گے؟ اور کیا یہ بات ان کو سراسیمہ اور پریشان نہ کردے گی کہ یہ جماعت جس طرح شرک اور بُت پرستی کے خلاف توحید کی قائل اور خدا پرستی کی عاشق ہے' وہ سرمایہ دارانہ نظامِ حیات سے بھی اتنی متنفر ہے' اور جذباتِ نفرت کی پرورش کر رہی ہے!

ردِّعمل

یہ قدرتی بات تھی کہ سردارانِ قریش نے جیسے ہی اس چھوٹی سی جماعت کے انداز سے خطرات کو بھانپا' مخالفت شروع کر دی۔ مگر جس طرح دعوت عام نہیں تھی' مخالفت بھی عام نہیں تھی۔ نجی مجلسوں میں تبصرے ہوتے۔ بے شک پھیلنے والے اثرات کو زائل کیا جاتا اور مخالفانہ رائے پختہ کی جاتی تھی' مگر گفتگو اور تبادلۂ خیالات کے ذریعہ' مثلاً سب سے پہلے قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت و بلاغت تھی جو ہر ایک صاحبِ ذوق کو متاثر کر دیتی تھی اور جب کوئی صاحبِ فکر معنی اور مقصد پر غور کرتا تو حیران رہ جاتا اور بسا اوقات وارفتہ ہو جاتا تھا۔ یہ وارفتگی گرویدگی کی حد تک پہنچتی تھی' جو اس کو سب سے چھڑا کر حضرت محمد ﷺ سے وابستہ کر دیتی تھی۔ جو حضرات اب تک مسلمان ہو چکے تھے اگرچہ ان کی تعداد تھوڑی تھی مگر وہ قرآنِ پاک کی اس تاثیر کی بہترین مثال اور نمونہ تھے۔ قرآن پاک کی اس تاثیر کو' معاذ اللہ! جادو کہا جاتا تھا' کہ یہ منتر ہے جو کسی طرح ''محمد'' (ﷺ) کو ہاتھ لگ گیا ہے۔ وہ اس منتر سے متاثر کرتا رہتا ہے۔

ان آیتوں اور سورتوں میں جن عقائد اور نظریات کی تلقین کی ہے' جب ان پر بحث ہوتی تو بڑے لوگوں کا چلتا ہوا جواب یہ ہوتا تھا: ''پرانے زمانہ کی دقیانوسی باتیں ہیں' اب زمانہ بدل گیا ہے' اب یہ باتیں نہیں چل سکتیں''۔ جب خدا پرستی اور توحید کا ذکر ہوتا تو جواب دیا جاتا ''اپنے باپ دادوں کے مذہب سے ہٹ کر گمراہ ہو رہے ہیں''۔ جب ان کی شب و روز کی عبادت اور غیر معمولی شب بیداری کا تذکرہ ہوتا تو رؤسائے قریش کی مجلسوں میں تبصرہ یہ کیا

جاتا: ''دیوانے ہو گئے ہیں!'' لیکن ظاہر ہے اس طرح کے جوابات وقتی طور پر کام کر سکتے ہیں' واقعی اور حقیقی اثرات کو زائل اور سوال کرنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ تو اب ان لوگوں نے یہ چاہا کہ اس سے پہلے کہ محمد (ﷺ) کے اثرات متعدی ہوں' ان سے کوئی سمجھوتا ہو جائے۔ چنانچہ سردارانِ قریش کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ارکانِ وفد پر ایک نظر ڈال لیجیے:

(۱) ولید بن مغیرہ: مکہ کا رئیس اعظم جو دولت مندی اور خوشحالی کی تمام عظمتیں اپنے اندر رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو ''وحید'' کہا جاتا تھا۔

(۲) ابوجہل: سب سے زیادہ ہوشیار اور چالاک سردار۔

(۳) اسود بن عبد یغوث: مکہ کا بہت بڑا تاجر اور رئیس۔

(۴) اخنس بن شریق۔ طائف کا سب سے بڑا سردار اور رئیس۔

وفد نے آپ ﷺ کے سامنے تین صورتیں پیش کیں:

☆ اگر دماغی خلش ہے تو اجازت دیجیے' ہم بہترین علاج کا انتظام کریں۔

☆ اگر عیش و عشرت مقصود ہے تو ہم دولت اور حسن دونوں فراہم کر سکتے ہیں۔

☆ اگر اقتدار مطلوب ہے تو مکہ کے اقتدار کی باگ ڈور آپ کے حوالے کرتے ہیں' مگر آپ اپنے انداز کو ہلکا کیجیے' آپ کے نظریات جو سننے میں آ رہے ہیں' نہایت سخت ہیں۔ وہ ہیجان برپا کر دیں گے —— مگر وحی الٰہی نے اس طرح کی پیشکشوں کی تردید کر دی۔ (سیرت مبارکہ' ص ۷۹ تا ۸۵)

اسلام نے ذاتی ملکیت کا خاتمہ تو نہیں کیا' مگر مسلمان کے پاس چھوڑا بھی کچھ نہیں۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی خاصی تعداد زکوٰۃ دیتی ہے۔ مال کا اتنا حصہ تو وہ دینے کے عادی ہیں۔ اگر اسلامی نظام ہو تو سب پر اس نظام کے قیام کے لیے خرچ کرنا مزید ضروری ہو گا۔ اس خرچ کی کوئی مقدار نہیں: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ﴾ اور یہ خرچ جہاد کی طرح ضروری ہوگا۔ جہاد کی بہت سی آیات میں ''مال'' کا لفظ ''نفس'' کے لفظ سے پہلے لایا گیا ہے۔ جا بجا ارشاد ہے: ﴿جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اسلام کے لیے دفاع اور گہوارۂ اسلام کی بقا دونوں ہی ضروری ہیں۔ حتیٰ کہ فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾(التوبۃ:۱۱۱) اس قسم کی آیات وتعلیمات کی رو سے ایک مسلمان کارِ ہائے خیر میں اور ملکی مصالح کی خاطر بے دریغ خرچ کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ اسلام میں ایسی پیداوار اور ذرائع پیداوار گورنمنٹ کی ملک ہوں گے کہ جن کے نفع ونقصان کا عام پبلک سے تعلق ہو‘ تاکہ دولت کی گردش چند ہاتھوں ہی میں نہ محصور ہو کر رہ جائے۔ ﴿کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَاۗءِ مِنْكُمْ ؕ﴾(الحشر:۷) مثلاً بڑے کارخانے جن کی مشینیں گورنمنٹ منگا کر دیتی ہے اور ان کے لیے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک قرض کا بار اٹھاتی ہے۔ یہ سب گورنمنٹ کے ہوں گے اور ان کی آمدنی کا مصرف ملک کے عوام ہوں گے۔ یہ انقلاب بھی اسلام لایا ہے۔ ہمارے ملک میں ماضی میں یہ ہوتا رہا ہے کہ گورنمنٹ اپنے بینک سے ایک شخص کو قرض دیتی ہے اور باہر سے اسے مشین منگا کر دیتی ہے‘ پھر اس کارخانہ کو اس کی ذاتی ملکیت تسلیم کرتی ہے۔ حالانکہ یہ روپیہ عوام کا تھا اور بین الاقوامی زرِمبادلہ کا بار ساری قوم پر آرہا ہے۔

ایسے تمام ذرائع پیداوار اور زمینوں کے بارے میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اور فیصلہ سامنے رکھنا ہوگا۔ آپ کے زمانہ میں عراق فتح ہوا۔ فتحِ عراق کے سلسلہ میں ’’معرکۂ قادسیہ‘‘ بہت سخت اور فیصلہ کن تھا۔ مفتوحہ علاقوں کے متعلق جو دستور اب تک رہا تھا‘ اس کی بناء پر جنگ قادسیہ کی کامیابی کے بعد ایک رائے یہ تھی کہ مفتوحہ علاقہ مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ملک کی تعمیری و دفاعی خصوصاً عوام کی معاشی ضرورتوں کا سوال تھا‘ کہ اگر مفتوحہ علاقہ مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے تو جاگیردار تو بہت سے ہو جائیں گے‘ جن کی جائیدادیں نسلاً بعد نسلٍ ان کی اولاد میں تقسیم ہوتی رہیں گی‘ مگر ان کے علاوہ دوسرے لوگ خصوصاً بعد کی نسلیں خالی رہ جائیں گی۔ لہٰذا آپ کی رائے یہ ہوئی کہ تقسیم کے بجائے ان اراضی کو ’’خزانہ‘‘ بنا دیا جائے‘ جس کو سب تقسیم کرتے رہیں گے۔ آپ نے سب کی رائے سن کر گفتگو فرمائی اور سورۃ الحشر کی آیات سے استدلال فرمایا‘ جن میں ایک آیت میں: ﴿کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَاۗءِ مِنْكُمْ ؕ﴾ آتا ہے‘ اور فیصلہ فرمایا: قَدْ رَأَیْتُ اَنْ أَحْبِسَ ارضین بعلوجها‘ وأضع فیها الخراج‘ وفی رقابهم الجزیة یؤدونها ’’میری رائے ہے کہ زمین کاشتکاروں کے پاس رہنے دوں‘ ان پر زمینوں کا خراج مقرر کر دوں‘ اور جو کاشت کریں ان پر

جزیہ لگا دوں۔‘‘ آپؓ عوام کی خوشحالی کے منصوبے سوچتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ وفات سے کچھ ہی قبل ارشاد فرمایا: لَئِنْ بَقِیْتُ..... الخ ’’اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیوہ عورتوں کو ایسا کر دوں گا کہ میرے بعد کسی اور امیر (کے فرمان یا پروانہ) کی ان کو ضرورت نہ رہے گی‘‘۔ (اسلام کے سیاسی اور اقتصادی مسائل‘ ص۱۸۲)

(نوٹ: تیل کے چشمے وغیرہ ایسے ذرائع آمدنی میں داخل ہیں جو حکومت کے ہوتے ہیں۔ اسلام کا نظامِ مالیات خود ایک مستقل موضوع ہے‘ مجھے ایک آدھ مثال ہی دینی تھی!)

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

’’اس نظام کی بنیادیں اتنی مضبوط تھیں کہ شدید خانہ جنگی کے باوجود خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت یعنی خلافتِ راشدہ کے تیس سال ختم ہونے کے بعد اگرچہ وصول اور خرچ کے بارہ میں وہ احتیاط باقی نہیں رہی تھی‘ مگر جو اقتصادی ساکھ قائم ہو چکی تھی وہ قائم رہی‘ جس کی ایک مثال یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تقریباً ستاون سال بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی رجب ۱۰۱ھ مطابق ۷۲۰ء) نے نظامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیا‘ تو آپ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن (گورنر عراق) کو حکم بھیجا کہ وظائف مقررہ ادا کریں۔

گورنر صاحب نے تعمیل حکم کے بعد رپورٹ بھیجی کہ تمام وظائف ادا کیے جا چکے ہیں‘ تب بھی کافی رقم باقی ہے۔ دربارِ خلافت سے حکم صادر ہوا‘ آپ کے صوبہ میں جتنے مقروض ہیں‘ ان کا جائزہ لو اور ان سب کے قرض ادا کر دو جو فضول خرچی کی بنا پر مقروض نہ ہوئے ہوں۔

گورنر صاحب نے تعمیل کے بعد رپورٹ بھیجی کہ سب مقروضوں کے قرض ادا کیے جا چکے ہیں‘ تب بھی رقم باقی ہے۔ حکم صادر ہوا جن نوجوانوں کے نکاح نہیں ہوئے‘ ان کے نکاح کرا دیجیے اور مہر اس رقم سے ادا کر دیجیے۔ گورنر صاحب نے اس حکم کی تعمیل کے بعد بھی یہی رپورٹ بھیجی کہ رقم باقی ہے۔ حکم صادر ہوا جو غیر مسلم کاشت کار جزیہ ادا کرتے ہیں‘ ان کا جائزہ لیجیے۔ ان کو تقاوی کی ضرورت ہو تو ان کو تقاوی دے دیجیے کہ وہ آسانی اور سہولت کے ساتھ زمین بو سکیں‘‘۔ (حاشیہ سیرت مبارکہ‘ ص۵۰۱)

کہنا یہی ہے کہ مذکورۃ الصدر اصول جو اسلام کے انقلابی اصولوں میں سے چند ہیں‘ جب تک اسلامی حکومتیں رہیں اور وہ یورپین طاقتوں کے زیر اثر نہ آئیں‘ اُس وقت تک ان

کے خلفاء وسلاطین اصولاً نظامِ اسلام ہی کے پابند رہے اور عدلیہ بھی اسی پر چلتی رہی۔ حکام غلط قسم کے بھی آتے رہے ہیں' لیکن ان کی ذاتی خامیاں اس نظام پر اثر انداز نہیں ہوئیں۔ یہ تو ماضی میں اس انقلاب کی مضبوطی اور استحکام تھا۔

اسی نظامِ اسلامی میں سے صرف روٹی' کپڑا اور مکان تو اسلامی معاشرت کے فقط چند اجزاء ہیں' کیونکہ جو معاشرت اسلام کی مہیا کردہ تھی' اس میں عزتِ نفس' حفاظت جان' بقائے غیرتِ نفس' بقائے حقوقِ رشتہ داری وقرابت وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں۔

انقلابِ محمدیؐ (اسلامی انقلاب) کے آئندہ استحکام کی صورت

ایمان' اعمالِ ایمانی' اخلاقِ ایمانی' عدل' تقویٰ' اسلام کا نظامِ معاہدات اور اس کا نظامِ جہاد' ان پر اگر ہم پھر گامزن ہو جائیں تو اس انقلابِ محمدی ﷺ یعنی اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اس کی برکات آنکھوں سے نظر آئیں گی۔ بے شک اسلام میں تعزیرات بھی ہیں اور ہم ایک دین سے ناواقف کو تعلیمات وفرائض اسلام میں صرف نماز' زکوٰۃ اور تعزیرات کی سیر کراتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اپنی عدلیہ کو' جو درحقیقت نظام اسلامی کا محور ہوتی ہے' ہم سامنے نہیں لا رہے' نہ ہی اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں آ رہا ہے' جس کا نفاذ کچھ بڑی بات نہیں — اسلام عوام کے لیے کمیونزم سے بہت زیادہ دلکش ہے' لیکن اس کے فوائد اس وقت ہی سامنے آ سکتے ہیں جب وہ مکمل طور پر نافذ کیا جائے' کیونکہ وہ خود مکمل ضابطۂ حیات ہے' وہ دوسرے نظاموں میں مخلوط کر کے نہیں لایا جا سکتا۔

اگر ہم واقعی خلوصِ دل سے اسلامی نظام لانے کے خواہش مند ہوں اور اسے مکمل شکل میں لے آئیں تو دنیا میں کمیونزم فنا ہوتا چلا جائے گا۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین o

[مولانا سید حامد میاںؒ نے یہ مضمون ۲۳/نومبر ۱۹۷۸ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام سیرت کانفرنس منعقدہ جناح ہال (ٹاؤن ہال) لاہور میں پیش فرمایا۔] ❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

''ذکرِ تعار'' یعنی آنکھ کھلنے پر اللہ کا ذکر:

فضیلت و آداب

جمیل الرحمٰن عباسی ☆

نبی اکرم ﷺ بکثرت اللہ عزوجل کا ذکر کیا کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ الذِّكْرَ، وَيُقِلُّ اللَّغْوَ، وَيُطِيْلُ الصَّلَاةَ، وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ (۱)

''رسول اللہ ﷺ ذکر کثرت سے کیا کرتے' بے فائدہ باتوں سے بچا کرتے' نماز لمبی پڑھا کرتے اور خطبہ مختصر ارشاد فرمایا کرتے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے کثرتِ ذکر کو یوں بیان کرتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ (۲)

''نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔''

شمائل سے معلوم ہوتا ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَجْلِسُ وَلَا يَقُوْمُ إِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ (وفی نسخة: عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ) (۳)

''رسول اللہ ﷺ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی اٹھا اور بیٹھا کرتے تھے۔''

ان مواقع الذکر میں سے ایک اہم موقع نیند سے بیداری بھی ہے۔ چنانچہ امام ابن القیم رحمہ اللہ' نبی کریم ﷺ کے وقتِ بیداری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَيَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَيُكَبِّرُهُ وَيُهَلِّلُهُ وَيَدْعُوْهُ، ثُمَّ يَسْتَاكُ، ثُمَّ يَقُوْمُ إِلٰى وُضُوْئِهِ (٤)

☆ معاون شعبہ تربیت' تنظیم اسلامی' پاکستان

''پس آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ اسے پکارتے' پھر مسواک فرماتے اور پھر وضو کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔''

نبی کریم ﷺ اہتمامِ دوامِ ذکر کے ساتھ اس کی تعلیم بھی فرمایا کرتے تھے' چنانچہ آپ ﷺ نے اُمت کو بھی بیداری کے وقت اللہ کے ذکر کی تلقین فرمائی۔

سیدنا عبادہ بن صامت الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ حِيْنَ يَسْتَيْقِظُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، ثُمَّ دَعَا: رَبِّ اغْفِرْلِيْ، غُفِرَ لَهٗ — اَوْ دَعَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ — فَاِنْ قَامَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰى، قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ)) (٥)

''جو شخص رات کے کسی حصہ میں بیدار ہو کر:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ))

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اُس کی بادشاہت ہے اور اُسی کے لیے کُل تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' اللہ پاک ہے' تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت ہے مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ جو بہت بلند و برتر ہے۔''

پڑھے اور اس کے بعد ((رَبِّ اغْفِرْلِيْ)) ''اے اللہ! مجھے بخش دے'' کہے تو اسے معاف کر دیا جائے گا — یا اگر وہ کوئی اور دعا مانگے تو اس کی دعا قبول ہوگی — اور اگر وہ اٹھ کھڑا ہوا' اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز مقبول ہوگی۔''

یہ کلمات عام طور پر ''تیسرا کلمہ تمجید'' اور ''چوتھا کلمہ توحید'' کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض احادیث میں ان کلمات کو ''الباقیات الصالحات'' بھی قرار دیا گیا ہے۔ ہم نے لفظی مناسبت سے اسے ''ذکرِ تعار'' کا نام دیا ہے' جو بہرحال ایک نام ہی ہے۔ مندرجہ بالا حدیث پاک کو

دوبارہ پڑھ لیجیے اور غور فرمائیے کہ یہ حدیث ایک عظیم بشارت پر مبنی ہے۔ ذرا سوچیے کہ مغفرت جو ایک مؤمن کا نصب العین' انبیاء و رُسل علیہم السلام کا سوالِ عظیم اور ربِّ رحیم کا منالِ کریم ہے' اس کی ارزانی تو ملاحظہ کیجیے کہ بس رات کو آنکھ کھلنے یا کروٹ بدلنے پر ایک دعا کا پڑھ لینا اس کے حصول کو کافی ہو۔

انسان عبادت و نماز اور رکوع و سجود قبولیت کی امید پر بجا تو لاتا ہے' لیکن اللہ کے بندے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ پتا نہیں قبول ہو کہ نہ ہو۔ ایسے میں کچھ کلمات بندوں کو سکھلائے جائیں کہ جن کے ساتھ نماز کی قبولیت کا وعدہ جڑا ہو تو سچ ہے کہ لوٹنے کی جائے ہے۔ پس ربِ غافر کی بخشش و مغفرت کی طرف لوٹنے' اور رحمت کے خزانوں کو لُوٹنے کے لیے کوشاں ہو جانا چاہیے۔ لیکن ذرا سوچیں تو کیا یہ اتنا آسان ہے؟ اپنی رات کی آنکھوں میں ذرا جھانک کر دیکھیں کہ بساطِ ہوائے دل پر رات بھر کیا سجتا سنورتا رہتا ہے' اور ہماری یادداشت ایسی کہ رات بہشتِ تصور کے جلووں میں کھو کر بھی صبح یاد نہیں رہتا' بلکہ خواب سا عالم لگتا ہے کہ یہ ملاقات تھی یا افسانہ!! تو ایسے خوابِ شہوات و لذات میں کروٹ بدلنے پر ربِّ کریم کی یاد آ جائے تو کیونکر! پس کچھ ایسا کیا جائے کہ رات کی اس سوغات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ سو چند سطور تحریر کی ہیں تاکہ رات جاگنے پر مندرجہ بالا دُعا کے اہتمام سے مغفرت و قبولیت کے اس وعدہ سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

رات کو کرنے والے اہم امور

''تیری صبح کہہ رہی ہے تیری رات کا فسانہ!'' کے مصداق' رات کی گھڑیوں میں آنکھ کھلنے یا صبح بیداری پر ذکر اللہ کے جاری ہو جانے کا انحصار انسان کی رات اور ابتدائے نیند کی کیفیت پر ہے۔ انسان پاکیزہ اور اچھی حالت میں ہوگا تو اس کے خیالات پر بھی اچھائی ہی چھائی رہے گی۔

وضو: اپنی رات کو اچھا بنانے والا پہلا کام باوضو ہو کر سونا ہے' اس لیے کہ وضو جسمانی اور روحانی ہر طرح کی ستھرائی کا ذریعہ ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے سے قبل وضو کی نصیحت فرمائی۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

((اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّكَ الْاَیْمَنِ .....))(۶)

''جب تم اپنے بستر پر لیٹنے لگو تو نماز کے وضو جیسا وضو کرو اور پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹو۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ بَاتَ طَاهِرًا بَاتَ فِیْ شِعَارِهٖ مَلَكٌ، فَلَمْ یَسْتَیْقِظْ اِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فُلَانٍ، فَاِنَّهٗ بَاتَ طَاهِرًا))(۷)

''جو کوئی (مسلمان) رات کو باوضو ہو کر سوئے' اس کے بستر میں ایک فرشتہ رات گزارتا ہے جو اس کے جاگنے تک اس کے لیے دعا کرتا رہتا ہے کہ اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرما دے کہ یہ باوضو سویا ہے۔''

اگرچہ بغیر وضو ذکر کرنا جائز ہے' لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

((اِنِّیْ كَرِهْتُ اَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا عَلٰی طَهَارَةٍ))(۸)

''میں بغیر طہارت (یعنی بغیر وضو) کے اللہ کا ذکر پسند نہیں کرتا۔''

پس تمام مواقع ذکر اور بطور خاص رات کے ذکر کے لیے وضو کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اہتمام تلاوت: بستر پر اوّلاً قرآن پاک کی کچھ تلاوت ضرور کرنی چاہیے کہ یہ طمانیت و سکینت اور مغفرت و رحمتِ خداوندی اور محافظت و حرسِ ملائکہ کا ذریعہ' ہادیٔ صراطِ مستقیم اور حبل اللہ المتین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ، یَقْرَاُ سُوْرَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا، فَلَا یَقْرَبُهٗ شَیْءٌ یُؤْذِیْهِ حَتّٰی یَهُبَّ مَتٰی هَبَّ))(۹)

''جو بھی بندۂ مسلم اپنے بستر پر جاتے وقت اللہ کی کتاب میں سے کسی سورت کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے ہیں جو اس کے جاگنے تک کسی نقصان دہ چیز کو اس کے نزدیک نہیں آنے دیتا۔''

سنّتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوابگاہ میں جا کر سورۃ الفاتحہ' سورۃ الاخلاص' سورۃ الفلق و الناس' آیۃ الکرسی' خواتیم البقرہ' المُسبّحات' سورۃ الملک اور سورۃ الواقعہ وغیرہ کی تلاوت کی تعلیم ملتی ہے۔ ان میں سے سب کچھ' یا کچھ نہ کچھ کو معمول ضرور بنانا چاہیے۔

اہتمام ذکر: آنکھ کھلنے پر پہلا خیال اسی شے کا آ سکتا ہے جو انسان کے لاشعور میں رچی بسی ہو'

یعنی ارادی سے گزر کر غیر ارادی لگاؤ بھی اس سے قائم ہو چکا ہو۔ اور جب کوئی چیز اس درجے محبوب بن چکی ہو تو عام حالات میں رات کو آخری خیال بھی اسی کا ہوتا ہے' جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر تم دیکھنا چاہتے ہوں کہ تمہارا محبوبِ حقیقی کون ہے تو یہ دیکھو کہ تمہیں آخری خیال کس کا ستاتا ہے۔ پس مندرجہ بالا قبولیت و مغفرت کے حصول کے لیے رات کو وضو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے سونا بھی بہت اہم ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے وضو کے ساتھ ذکر اللہ کا بھی معمول بنانے کی ترغیب دی ہے۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ طَاهِرًا، فَيَتَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْاَلُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَيْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ))(۱۰)

''جو بندۂ مسلم رات پاکیزہ حالت میں اللہ کے ذکر کے ساتھ سوئے' پھر رات کو اُس کی آنکھ کھلے تو وہ دنیا و آخرت کی جو بھلائی مانگے گا اللہ اُسے عطا فرمائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ رات کو سوتے وقت کافی دیر اللہ کا ذکر کیا کرتے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک خادم ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

كُنْتُ اَخْدُمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَقُوْمُ لَهٗ فِيْ حَوَائِجِهٖ نَهَارِيْ، اَجْمَعَ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فَاَجْلِسَ بِبَابِهٖ، اِذَا دَخَلَ بَيْتَهٗ اَقُوْلُ : لَعَلَّهَا اَنْ تَحْدُثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَاجَةٌ، فَمَا اَزَالُ اَسْمَعُهٗ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، حَتّٰى اَمَلَّ فَاَرْجِعَ، اَوْ تَغْلِبَنِيْ عَيْنِيْ فَاَرْقُدَ))(۱۱)

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا اور دن بھر آپؐ کے کام کاج میں مصروف رہتا۔ جب نبی کریم ﷺ نماز عشاء سے فراغت کے بعد گھر تشریف لے جاتے تو میں آپ ﷺ کے دروازے پر ہی بیٹھا رہتا اور سوچتا کہ شاید کسی کام میں رسول اللہ ﷺ کو میری ضرورت پڑ جائے۔ اور میں مسلسل آپ ﷺ کی آوازِ (ذکر) سنتا رہتا' آپ ﷺ فرماتے :((سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)) یہاں تک کہ بعض اوقات میں تھک کر واپس آ جاتا اور بعض اوقات میری آنکھیں بوجھل ہو جاتیں اور میں وہیں سو جاتا۔''

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ طَاهِرًا يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى يُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ يَنْقَلِبْ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ يَسْاَلُ اللّٰهَ شَيْئًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ))(۱۲)

''جو اپنے بستر پر باوضو ہو کر آیا اور پھر وہ اللہ کا ذکر کرنے لگا' یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی' تو رات کو جب بھی وہ کروٹ لے گا اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی جو بھی خیر و خوبی مانگے گا' اللہ اسے عطا کرے گا۔''

رات کے اس ذکر میں اگر وہ مسنون کلمات بھی شامل کر لیے جائیں جنہیں ہم نے ''ذکرِ تعار'' کا نام دیا ہے تو سونے پہ سہاگہ ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کلمات کے اہتمام کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ قَالَ حِيْنَ يَاْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهٖ :لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ — اَوْ قَالَ خَطَايَاهُ ، شَكَّ مِسْعَرٌ — وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ))(۱۳)

''جو شخص اپنے بستر پر آتے وقت لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَـهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھے تو اس کے گناہ یا اُس کی خطائیں' معاف کر دی جاتی ہیں' چاہے سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔''

شیطان سے چوکنا رہنا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بندہ رات کو ذکر کے اہتمام کا ارادہ تو کرتا ہے لیکن سونے کے وقت اسے یاد نہیں رہتا یا تھکاوٹ اسے جلد سلا دیتی ہے۔ یہ اصل میں شیطان کی ستیزہ کاری ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ شیطان سے کیسے بچا جائے؟ کسی عارف نے اس کا ''آسان سا'' جواب یوں دیا کہ شیطان سے ہمت کر کے بچا جائے۔ بظاہر یہ بات عجیب لگتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ہمارا دشمن بتایا ہے: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵﴾ (یوسف) اب شیطان سے بچنے کے لیے اللہ ربّ العزت نے جو ہمیں

ہتھیار دیا ہے وہ اللہ کا ذکر و عبادت ہے۔ ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَبْدُ لَا یُحْرِزُ نَفْسَهٗ مِنَ الشَّیْطَانِ اِلَّا بِذِکْرِ اللّٰهِ))(۱۴)

''بندہ اپنے آپ کو شیطان سے نہیں بچا سکتا مگر اللہ کے ذکر کے ساتھ۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰهَ خَنَسَ، وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ)) (۱۵)

''شیطان انسان کے دل کی طرف تھوتھنی لگائے رہتا ہے' پس جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے بھاگ جاتا ہے' اور جب انسان (اللہ کو) بھولتا اور غفلت کا شکار ہوتا ہے تو پھر شیطان دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔''

لیکن وہ ہمارے اس ہتھیار ہی کو ہم سے چھین لینا چاہتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ ..... وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱﴾ (المائدۃ)

''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ..... اور تمہیں روک دے اللہ کے ذکر اور نماز سے۔ تو کیا تم باز آنے والے ہو؟''

تو کیا ہم ذکر و نماز یعنی شیطان کو غارت کرنے والے ہتھیاروں کے استعمال سے باز رہیں گے؟ یقیناً نہیں۔ ہتھیار چلانے کی ہمت تو بندے کو کرنا ہی پڑے گی' تبھی کہیں جا کر دشمن ہلاک ہوگا۔ اس کے لیے شیطان سے لڑنے کی ضرورت ہے: ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ﴾ (فاطر:٦) ''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' لہٰذا تم بھی اس سے دشمنی کرو۔''

پس شعوری طور پر ہمت اور قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے انسان کو ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے۔ آغاز میں چاہے تکلفاً ہی ذکر کرنا پڑے ابتدا کر دینی چاہیے' کیونکہ ذکر کے کلمات کی ادائیگی کے ساتھ ہی شیطان بھاگ جائے گا اور پھر آہستہ آہستہ توجہ بھی نصیب ہو جائے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَوٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی فِرَاشِهٖ ابْتَدَرَهٗ مَلَکٌ وَشَیْطَانٌ، یَقُوْلُ الشَّیْطَانُ: افْتَحْ بِشَرٍّ، وَیَقُوْلُ الْمَلَکُ: افْتَحْ بِخَیْرٍ، فَاِنْ ذَکَرَ اللّٰهَ ذَهَبَ الشَّیْطَانُ وَیَاْتِی الْمَلَکُ وَیَکْلَؤُهٗ))(۱۶)

''جب تم میں سے کوئی بستر پر آتا ہے تو ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کی طرف لپکتے ہیں۔ شیطان کہتا ہے: اپنی نیند برائی (غفلت) سے شروع کر' جبکہ فرشتہ کہتا ہے: اپنی نیند کا آغاز خیر (ذکر) سے کر۔ پھر اگر انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور فرشتہ اس کے پاس رہتا اور اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے ہر نماز کے بعد اور ہر رات سونے سے قبل' تسبیح (۳۳ بار)' تحمید (۳۳ بار) اور تکبیر (۳۴ بار) کا حکم دیا (جو تسبیح فاطمی کے نام سے مشہور ہیں) اور ان کے اجر کے بارے میں فرمایا کہ ''زبان پر کلمات سو (۱۰۰) ہیں' جبکہ میزانِ عمل میں یہ ایک ہزار کے برابر ہیں۔ جو بندۂ مسلم ان پر مستقل عمل کرے گا' جنت میں داخل ہوگا۔ یہ عمل آسان ہے' لیکن اس پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں''۔ صحابہؓ کو تعجب ہوا تو سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عمل آسان ہو اور عمل کرنے والے تھوڑے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَاْتِیْ اَحَدَکُمْ ـــــ یَعْنِی الشَّیْطَانَ ـــــ فِیْ مَنَامِهٖ فَیُنَوِّمُهٗ قَبْلَ اَنْ یَقُوْلَهٗ، وَیَاْتِیْهِ فِیْ صَلَاتِهٖ فَیُذَکِّرُهٗ حَاجَةً قَبْلَ اَنْ یَّقُوْلَهَا)) (۱۷)

''سونے کے وقت شیطان تمہارے پاس آتا ہے اور ان کلمات کی ادائی سے پہلے ہی تمہیں سلا دیتا ہے' اور نماز کے وقت بھی شیطان تمہارے پاس آجاتا ہے اور نماز کے بعد ان کلمات کی ادائی سے پہلے ہی تمہیں کوئی کام یاد دلا دیتا ہے۔''

البتہ ابتدائے ذکر میں تعوذ کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے کہ حدیث کے مطابق یہ شیطان کو دور کرنے والا کلمہ ہے۔

رات کے ذکر سے محرومی

اگر انسان اللہ کے ذکر کے بغیر سو گیا تو یہ ایک محرومی ہے' جس کا نتیجہ دنیا میں غفلت اور آخرت میں ندامت و حسرت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ رَجُلٍ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِهٖ فَلَمْ یَذْکُرُ اللّٰهَ، اِلَّا کَانَ عَلَیْهِ تِرَةً))(۱۸)

''جب کوئی شخص اپنے بستر پر آتا ہے اور اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو اس کا یہ سونا اس کے لیے باعث حسرت ہوگا۔''

ایک روایت میں نقل ہوا ہے:

((مَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِيْهِ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۱۹)

''جو شخص کسی جگہ لیٹا اور اُس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کے لیے قیامت کے دن باعثِ حسرت ہوگا' اور جو کسی جگہ بیٹھا اور اس نے اللہ عزوجل کا ذکر نہیں کیا تو یہ بیٹھنا اس کے لیے قیامت کے دن باعث حسرت ہوگا۔''

بیداری کے وقت ذکر کی فضیلت

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا، فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْاَلُ اللّٰهَ خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ — اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ))(۲۰)

''جو بھی مسلمان باوضو حالت میں ذکر کرتے ہوئے سوئے' پھر جب بھی رات کو جاگے تو دنیا و آخرت کی جو بھلائی بھی مانگے' اللہ اسے عطا کرے گا۔''

نبی اکرم ﷺ کا اپنا معمول یہ تھا کہ بیداری کے بعد کچھ ذکر فرمایا کرتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمَّدَ عَشْرًا، وَقَالَ :"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" عَشْرًا، وَقَالَ : ''سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ'' عَشْرًا، وَاسْتَغْفَرَ عَشْرًا، وَهَلَّلَ عَشْرًا، ثُمَّ قَالَ :"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا، وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ"۔ عَشْرًا، ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ (۲۱)

''جب رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو دس بار اللہ اکبر پڑھتے' دس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتے' دس بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ادا فرماتے۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ دس بار پڑھتے' دس بار استغفار کرتے' دس بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد کرتے اور دس بار اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا، وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ''اے اللہ میں دنیا کی تنگی اور روز قیامت کی تنگی سے تیری پناہ مانگتا ہوں'' پڑھتے۔ پھر اس کے بعد نماز کی ابتدا فرماتے۔''

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ' جن کی ایک روایت رات کے ذکرِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے

سے گزر چکی ہے' بیداری رسول ﷺ کے ذکر کی خبریں دیتے ہیں:

فَكُنْتُ اَسْمَعُهٗ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ : سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الْهَوِيَّ، ثُمَّ يَقُوْلُ :سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ الْهَوِيَّ (۲۲)

''پس میں آپ ﷺ کی آواز سنا کرتا جب آپ رات کو نیند سے کھڑے ہوتے' آپ بہت دیر تک ''سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' پڑھا کرتے اور اس کے بعد بڑی دیر تک ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' پڑھتے رہتے۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ محترمہ آپ کی نیند اور بیداری کے ذکر کا حال یوں بیان کرتی ہیں کہ آپ اپنے سرہانے پانی کا ایک برتن رکھوا کر سوتے اور رات کو آپ کی آنکھ کھلتی تو پانی سے ہاتھ گیلا کر کے اپنے چہرے پر پھیرتے:

ثُمَّ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَا شَاءَ اَنْ يَذْكُرَ، ثُمَّ يَتَعَارُّ مِرَارًا حَتّٰى يَاْتِيَ عَلَى السَّاعَةِ الَّتِيْ يَقُوْمُ فِيْهَا لِصَلَاتِهٖ(۲۳)

''پھر اللہ کا ذکر کرتے رہتے جتنا اللہ چاہتا' پھر (سو جاتے) اور نماز تہجد کے لیے اٹھنے تک متعدد بار اسی طرح بیدار ہوتے رہتے۔''

بیداری کے ذکر کی ایک خاص فضیلت وضرورت پر مبنی ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ، فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَاِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ)) (۲۴)

''تم میں سے ہر ایک جب سوتا ہے تو اس کی گُدی پر شیطان تین گرہیں باندھ دیتا ہے اور ہر گرہ پر پھونک دیتا ہے کہ ابھی بہت رات پڑی ہے پس سوتا رہ۔ پس اگر وہ شخص بیدار ہو کر اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے' پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری بھی کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور اس کی صبح فرحت و انبساط اور شگفتہ خاطری سے نمودار ہوتی ہے (اور دن بھر یہی کیفیت رہتی ہے) ورنہ کبیدہ خاطری اور کسل مندی سے دوچار رہتا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَامَ عَقَدَ الشَّیْطَانُ عَلَیْهِ ثَلَاثَ عُقَدٍ، فَاِنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّیْلِ فَذَکَرَ اللّٰهَ حُلَّتْ عُقْدَةٌ، فَاِنْ تَوَضَّاَ حُلَّتْ عُقْدَتَانِ، فَاِنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، حُلَّتِ الْعُقَدُ کُلُّهَا، فَحُلُّوْا عُقَدَ الشَّیْطَانِ، وَلَوْ بِرَکْعَتَیْنِ))(۲۵)

''جب بندہ سوتا ہے تو شیطان اس پر تین گرہیں (منتر کی) لگاتا ہے۔ اگر بندے کی آنکھ رات میں کھل جائے اور وہ اللہ کا ذکر کرے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے، اور اگر وہ (اُٹھ کر) وضو کر لے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے، اور پھر اگر انسان دو رکعت نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ پس اے لوگو! شیطان کی گرہوں کو توڑ ڈالو، چاہے دو رکعت ہی کے ساتھ۔''

ایک روایت میں نشاط کی ایک اضافی صفت بیان کی گئی ہے:

((فَیُصْبِحُ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ، قَدْ اَصَابَ خَیْرًا، وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ اَصْبَحَ کَسِلاً خَبِیْثَ النَّفْسِ، لَمْ یُصِبْ خَیْرًا)) (۲۶)

''پس وہ آدمی پاکیزہ نفس کی پرنشاط کیفیت میں صبح کرے گا اور نیکی کو پالے گا، اور اگر اس نے ایسا نہ کیا (یعنی شیطانی گرہوں کو نہ کھول سکا) تو خبیث نفس کی کسلاہٹ کے ساتھ صبح کرے گا اور نیکی سے محروم رہے گا۔''

تینوں گرہوں کے کھلنے کا انحصار پہلی گرہ کے کھلنے پر ہے، اگر پہلی گرہ کھل گئی تو دوسری کا کھلنا آسان، اور دوسری کے کھلنے پر تیسری کا کھلنا آسان ہے، اور پہلی گرہ ذکر سے کھلتی ہے، لہٰذا کوشش کر کے آنکھ کھلتے ہی کسی بھی ذکر کو فوری زبان سے ادا کرنا چاہیے۔ بطور ٹوٹکہ عرض ہے کہ اگر ان صفحات کو سرہانے رکھ دیا جائے اور ایک دفعہ کے مکمل مطالعے کے بعد روزانہ رات ایک سرسری نظر ان احادیث مبارکہ پر ڈال لی جائے تو ان میں بیان کردہ امور پر عمل آسان ہو جائے گا۔ اس طرح کچھ عرصے میں ہی یہ معلومات، معمولات میں داخل ہونے لگیں گی۔

خود کو ذکر کا عادی بنانا

رات کے ذکر اور بالخصوص رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ کے ذکر یا ذکرِ تعار کے جاری ہو جانے پر معاون دن کا ذکر ہے۔ اگر ایک انسان دن کو اللہ کے ذکر کا عادی نہیں ہے تو رات کا ذکر اس کے لیے مشکل اور آنکھ کھلنے پر اس سے ذکر کا صدور تقریباً غیر ممکن ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ

وہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں لگائے رکھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ((..... وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِی ذِکْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ))(۲۷)

''.....اور تو اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھے۔''

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فیض القدیر میں لفظ 'تَعْمَلَ' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بان لا تفتر عن النطق به فان الذکر مفتاح الغیب وجاذب الخیر وانیس المستوحش ومنشور الولایة

''اس کا مطلب یہ ہے کہ بے تکان کلماتِ ذکر پڑھا کرو، کیونکہ ذکر غیب کی کنجی، نیکی کو جذب کرنے والا، پراگندہ خیالی کی اصلاح اور ولایت کا منشور ہے۔''

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ذکر کا افضل رتبہ تو یہ ہے شعور اور حضوریٔ قلب کے ساتھ ذکر کیا جائے اور اگر یہ نصیب ہو جائے تو یہ تو روشنی در روشنی ہے، لیکن اگر یہ میسر نہ ہو، محض زبان سے اللہ کا ذکر کرنا بھی ایک درجے کی نیکی تو ہے ہی، البتہ اس پر مداومت مزید عطا (یعنی حضوریٔ قلب) کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔''(۲۸)

احساسِ فضیلت

ذکرِ تعار کے اہتمام میں معاون امور میں سے ایک اہم شے اس کی فضیلت کا احساس ہے۔ اگر یہ ہو جائے تو انسان رات کو بھی اس دعا کا اہتمام کر سکتا ہے اور بیداری کے وقت بھی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ذکر کی عمومی فضیلت و افادیت پر مبنی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَجَزَ مِنْکُمْ عَنِ اللَّیْلِ اَنْ یُکَابِدَهٗ، وَبَخِلَ بِالْمَالِ اَنْ یُنْفِقَهٗ، وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ یُجَاهِدَهٗ، فَلْیُکْثِرْ ذِکْرَ اللّٰهِ)) (۲۹)

''تم میں سے جو شخص رات کی عبادت کی مشقت نہ سہار سکے اور بخل کے سبب انفاقِ مال نہ کر سکے اور بزدلی کے سبب دشمن سے جہاد نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ ذکر اللہ میں کثرت کرے۔''

مراد یہ کہ مذکورہ بالا اعمال میں پائی جانے والی سستی و کوتاہی ذکر کی برکت و تاثیر سے جاتی رہے گی اور توفیق میں اضافہ ہوگا۔ یہ تو ذکر کی افادیت کا بیان ہوا، لیکن ذکر سے مراد کیا ہے؟ تو جس

طرح قرآن پاک کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے' اسی طرح ایک حدیث بھی دوسری کی تفسیر کرتی ہے' چنانچہ مندرجہ بالا حدیث میں وارد لفظ ''ذکر'' کی وضاحت اور تفصیل و تفسیر درج ذیل دو روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ جن میں ذکر اللہ کی جگہ وہی کلمات وارد ہوئے ہیں جو ذکرِ تعار میں موجود ہیں۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ هَالَهُ اللَّيْلُ اَنْ يُكَابِدَهُ، وَبَخِلَ بِالْمَالِ اَنْ يُنْفِقَهُ، وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ يُقَاتِلَهُ ، فَلْيُكْثِرْ اَنْ يَقُوْلَ :سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ))(۳۰)

''جو کوئی رات کی عبادات کی کلفت نہ اٹھا سکے' مال کے خرچ کرنے میں بخیل ہو اور دشمن سے جنگ کرنے میں بزدل ہو تو اسے چاہیے کہ کثرت سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَمَنْ ضَنَّ بِالْمَالِ اَنْ يُنْفِقَهُ، وَخَافَ الْعَدُوَّ اَنْ يُجَاهِدَهُ، وَهَابَ اللَّيْلَ اَنْ يُكَابِدَهُ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ قَوْلِ :لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (۳۱)

''جو کوئی کنجوس ہو مال کے خرچ کرنے پر' اور ڈرتا ہو دشمن سے جہاد کرنے سے' اور راتوں کی عبادت کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو' تو اسے چاہیے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَر بکثرت پڑھا کرے۔''

ملاحظہ کیجیے کہ ان دونوں روایات کے مجموعے میں بیان کردہ کلماتِ ذکر وہی ہیں جو ذکرِ تعار یا ''تیسرے کلمہ'' میں موجود ہیں۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ ویسے تو ذکر کی بہت ساری مختلف صورتیں ہیں لیکن اس کے افضل کلمات یہی ہیں۔ ہماری یہ بات اس مشہور صحیح حدیث کے مخالف نہیں ہے کہ جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) (۳۲)

''افضل ذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' اور افضل الدعاء ''الحمد للہ'' ہے۔''

اس لیے کہ ''تیسرے کلمہ'' یا ذکرِ تعار میں لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے الفاظ نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ مرکزی حیثیت انہیں ہی حاصل ہے اور بقیہ سارے اضافہ جات درحقیقت اسی الٰہ کی الوہیت کی تفصیل پر مشتمل ہیں۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں ایمان کی تجدید و بڑھوتری کے لیے

بھی کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے تکرار کی تعلیم دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ)) ''اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو''۔ صحابہؓ نے عرض کیا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَكَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا؟ ''رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے ایمان کی تجدید کیسے کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کو زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو۔''(۳۳)

ذکرِ تعار میں موجود دوسرے کلمات مثلاً تسبیح' تحمید' تکبیر اور حوقلہ (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) کی فضیلتیں الگ الگ روایات میں بیان کی گئی ہیں' جبکہ ان کی فضیلت کی جامعیت و فضیلت کی ایک اہم دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان مبارک کلمات کو دیگر کئی ایک دعاؤں اور اذکار میں شامل فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر نماز کے بعد' دورانِ سفر اور دورانِ حج مختلف مقامات پر آپ ﷺ ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرتے تھے۔ یہاں تو اس سب کا بیان طوالت کا باعث ہوگا' البتہ چند دوست اگر اس بابت باہم مذاکرہ کر لیں تو بھی بہت فائدہ ہوگا اور ریاض الصالحین اور مشکاۃ شریف یا معارف الحدیث میں موجود کتاب الذکر وغیرہ کے مطالعے کا اہتمام بھی نفع مند ہے۔ ان سب کا مطلوب یہ ہے کہ اس کی فضیلت و عظمت ہم پر آشکار ہو جائے تاکہ اس کو اپنا وِرد بنانا آسان ہو جائے۔

حواشی

(۱) سنن النسائی' کتاب الجمعة' باب ما یستحب من تقصیر الخطبة۔
(۲) صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب ذکر اللّٰہ تعالٰی فی حال الجنابة وغیرھا۔
(۳) شمائل الترمذی۔
(٤) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد۔
(٥) سنن ابن ماجه' کتاب الدعاء' باب ما یدعو به اذا انتبه من اللیل۔
(٦) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب فضل من بات علی الوضوء۔
(۷) صحیح ابن حبان۔
(۸) سنن ابی داوٗد' کتاب الطھارة' باب أیرد السلام وھو یبول۔
(۹) سنن الترمذی' ابوا ب الدعوات' باب منه۔
(۱۰) مسند احمد' کتاب مسند الانصار' باب حدیث معاذ بن جبلؓ۔
(۱۱) مسند احمد' کتاب اول مسند المدنیین اجمعین' باب حدیث ربیعة بن کعب الاسلمی۔
(۱۲) سنن الترمذی' ابواب الدعوات' باب منه۔

(۱۳) صحیح ابن حبان۔

(۱٤) سنن الترمذی، ابواب الامثال، باب ما جاء فی مثل الصلاۃ.....

(۱٥) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد۔

(۱٦) الدعوات الکبیر للبیھقی، باب الدعاء والذکر اذا استیقظ من النوم۔

(۱۷) سنن ابی داوٗد، ابواب النوم، باب خصلتان او خلتان یحافظ علیھا عبد مسلم .....

(۱۸) مسند احمد، کتاب مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق۔

(۱۹) سنن ابی داوٗد، ابواب النوم، باب من اضطجع مضجعا.....

(۲۰) سنن ابی داوٗد، ابواب النوم، باب فی النوم علی طھارۃ۔ ومسند احمد، ح:۲۱٥٤۳۔

(۲۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب ما یقول اذا اصبح۔

(۲۲) سنن النسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار، باب ذکر ما یستفتح بہ القیام۔

(۲۳) رواہ الطبرانی۔

(۲٤) صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب عقد الشیطان علیٰ قافیۃ الرأس.....

(۲٥) صحیح ابن خزیمہ۔

(۲٦) سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب ما جاء فی قیام اللیل۔

(۲۷) رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ح:۱٦۸٦۰۔ و مسند احمد، ح:۲۱٥٥۹

(۲۸) مرقاۃ المفاتیح۔

(۲۹) رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ح:۱۰۹٦۷ والبیھقی فی شعب الایمان، ح:٤۸۷

(۳۰) صحیح الترغیب والترھیب۔

(۳۱) صحیح الادب المفرد للامام البخاری، وقال المحقق: صحیح موقوف فی حکم المرفوع۔

(۳۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الحامدین۔

(۳۳) مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق۔

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ وترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں،
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔(ان شاء اللہ!)

رمضان کی مبارک ساعتوں میں کرنے والے مخصوص کام

پروفیسر عبدالعظیم جانبازؔ

کائنات کے روز وشب یوں تو تین موسموں سے مزین ہیں اور تقدیم وتاخیر کے ساتھ ساری دنیا میں اپنے جلوے دکھاتے رہتے ہیں۔ کبھی فرصت وشادمانی تو کبھی قہر و پریشانی کا باعث بنتے رہتے ہیں اور انسان حسبِ موقع واستطاعت ان سے مستفید ہونے اور بچنے کا سامان کرتا رہتا ہے۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے ان تینوں موسموں کے علاوہ ایک ''نیکیوں کا موسم بہار'' بھی عطا کیا ہے' جو ہر سال پابندی سے ماہِ صیام کی شکل میں سایہ فگن ہوتا ہے۔ مسلسل تیس دن تک اہلِ ایمان کے لیے رحمتوں' برکتوں اور مغفرتوں کے خزانے لیے موجود رہتا ہے اور روزہ داروں اور عبادت گزاروں کے لیے خوش خبریاں سناتا ہے۔ ماہِ صیام کو قرآنِ مجید میں ''جشنِ نزولِ قرآن'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور روزوں کی فرضیت کی غرض وغایت ''تقویٰ'' قرار دی گئی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ شعبان کے آخری دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت ہی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

> ''اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہوا چاہتا ہے۔ یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا ہے۔ جس شخص نے اس مہینہ میں کوئی نیکی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے دوسرے

☆ Azeemjanbaz77@gmail.com

> دنوں میں کوئی فرض ادا کیا ہو' اور جس نے اس مہینہ میں ایک فرض ادا کیا تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینوں میں اس نے ستر فرض ادا کیے ہوں۔ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ سے بچانے کا ذریعہ ہوگا' اور اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا اس روزہ دار کے لیے ہے' بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو۔''

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو یہ توفیق میسر نہیں ہے کہ کسی روزے دار کو افطار کرائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہ اجر ہر اُس شخص کو دے گا جو کسی روزہ دار کو دودھ کی لسّی سے روزہ افطار کرا دے یا ایک کھجور کھلا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے۔ اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا' پھر اسے کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور وہ یہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت' درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے نجات ہے۔ اور جس نے رمضان میں اپنے غلام سے ہلکی خدمت لی اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔'' (بیہقی)

روزے کی عبادت سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کا ہر عمل اُس کے لیے کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے' یہاں تک کہ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جدا ہے' کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار اپنی شہوت نفس اور کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں' ایک فرحت افطار کی دوسری اپنے رب سے ملاقات کی۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص تم میں سے روزہ سے ہو تو اسے چاہیے کہ نہ اس میں بدکلامی کرے اور نہ دنگا فساد کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑے تو کہہ دے کہ بھائی میں روزے

سے ہوں۔'' (بخاری و مسلم)

روزہ دار کے لیے اجر و ثواب میں اضافہ اور اپنے رب سے ملاقات کی خوشخبری کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی معافی کی خوشخبری بھی سنائی ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب (اجر و ثواب کی امید) کے ساتھ تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے۔ جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (تراویح' نوافل اور تہجد کا اہتمام کیا) ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کر دیے جائیں گے اس کے وہ قصور جو اس نے پہلے کیے ہوں گے۔ اور جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کر دیئے جاتے ہیں اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے ہوں۔'' (متفق علیہ)

یقیناً وہ افراد نہایت خوش نصیب ہیں جو ماہِ صیام کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت' مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے عاجزی و انکساری سے عبادات بجالاتے ہیں اور نماز' روزہ اور تراویح کے ذریعہ اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کے متمنی ہوتے ہیں۔ بدنصیب ہیں وہ افراد جو ماہِ صیام بطورِ ماہ تجارت' ماہِ کاروبار' ماہ وصولیٔ چندہ یا ماہِ وصولیٔ زکوٰۃ گزارتے ہیں اور قطعی طور پر انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی کہ نمازوں' روزوں اور دیگر عبادات میں کتنی کمی یا کوتاہی ہو رہی ہے۔ وہ افراد بھی قابل رحم ہیں جو معمولاً نمازوں اور روزوں کا اہتمام تو کرتے ہیں لیکن کھانے پینے اور شاپنگ کرنے میں مبارک ساعتوں کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ کتنے احمق ہیں یہ لوگ جو حقیر اور فانی مال یا اکل و شرب میں مصروف ہو کر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کی شادمانی اور خوشی کو بھول کر حقیر اور لایعنی امور میں ماہِ صیام گنوا دیتے ہیں۔ عالمِ اسلام کے ممتاز عالمِ دین اور محقق سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو ایک مثال سے واضح فرمایا:

''سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں' اگر آئینہ کے پاس کچھ دھندلاہٹ پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے' ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے مہینہ میں دیکھو' اگر اس مہینہ میں اس کے اندر کچھ تقویٰ'

کچھ خوفِ خدا' کچھ نیکی کے ابھار کا ذریعہ نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینہ میں نیکی کا بازار سرد ہو' فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں اور اسلامی حس مردہ نظر آئے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لو' اس کے بعد زندگی کی کوئی سانس مسلمانوں کے لیے مقدر نہیں۔''

روزہ

یہ ماہِ صیام کی اہم ترین عبادت ہے۔ اگر کوئی شخص بلا عذرِ شرعی ماہِ صیام کا ایک روزہ بھی ترک کر دے اور عمر بھر اس کی تلافی کرے تو وہ ماہِ صیام کے ایک روزے کی برابری نہیں کر سکتا۔ مصروفیات' صحت اور دیگر وجوہ سے' جب کہ مذکورہ عذر غیر معمولی نہ ہوں' روزے کا ترک کر دینا بڑی بدبختی کی بات ہے۔ ایسا شخص گویا احکامِ الٰہی سے دانستہ بغاوت کر رہا ہے۔ تارکِ صوم رحمتِ الٰہی سے لازماً محروم ہو جائے گا اور اس کی زندگی گمراہی' ضلالت اور محرومیوں کے صحراؤں کی نذر ہو جائے گی۔

تراویح

اگرچہ یہ فرض عبادت نہیں ہے' لیکن نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا باضابطہ اہتمام فرماتے تھے۔ تراویح میں مکمل ایک قرآن کی سماعت مسنون ہے۔ قیام اللیل کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے قریب ہو سکتا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ تھکن اور بیماری کے باوجود قیام اللیل کا اہتمام فرماتے تھے۔ قیام اللیل اور تہجد کے ذریعہ بندہ قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے' اور جس بندے کو اللہ کا قرب حاصل ہو جائے اس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔

تلاوتِ قرآن

ماہِ صیام کو قرآنِ مجید سے خاص نسبت حاصل ہے۔ یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ نزولِ قرآن کی برکت سے ایک رات (لیلۃ القدر) ہزار مہینوں سے افضل ہو گئی۔ قرآنِ پاک دلوں کے امراض کی شفا ہے' انسانوں کے لیے دستور العمل ہے' مؤمنوں کے لیے سراسر ہدایت و رہنمائی ہے۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہِ صیام میں کثرت سے تلاوت کلام پاک کا

اہتمام کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں دیگر عبادات کی طرح تلاوتِ قرآنِ مجید کا اجر بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔لیکن جو شخص قرآنِ مجید کا فہم وتدبّر کے ساتھ مطالعہ کرے گا اس کی زندگی میں غیر معمولی تغیر وتبدل واقع ہوگا اور وہ اللہ کا مطیع وفرماں بردار بندہ بن جائے گا۔

اعتکاف

اعتکاف ماہِ صیام کی ایک خصوصی عبادت ہے۔ اعتکاف کے دوران بندہ اپنی تمام تر مصروفیات کو ترک کر کے صرف اللہ کا ہو کر رہ جاتا ہے اور خود کو اللہ کے حضور پیش کر دیتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اعتکاف کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے اور عشرۂ اخیرہ اعتکاف کے لیے فارغ کر دیتے تھے۔آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید بھی فرمائی کہ ہر بستی سے کم از کم ایک فرد کو لازماً اعتکاف کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جب بندہ تمام مشاغل کو چھوڑ کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو جاتا ہے اور دنیا ومافیہا سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے تو رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور اسے وہ سب کچھ دیا جاتا ہے جس کا وہ طلب گار ہوتا ہے۔

تلاشِ شب قدر

لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا گیا ہے' لیکن اسے طاق راتوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ آخری عشرہ کی یوں بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ان ایام میں زیادہ سے زیادہ حصولِ مغفرت کی طرف اور گناہوں سے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اجتماعی پروگراموں اور افطاریوں کے نام پر یا پھر مختلف امور کے لیے وصولی کے نام پر آخری عشرہ اور اس کی طاق راتوں کو ضائع کر دینا انتہائی بدبختی کی نشانی ہے۔ آخری عشرہ میں اعتکاف خاص طور پر اسوۂ رسول ﷺ ہے' لہٰذا سچے عاشق رسولؐ مسلمان کو اعتکاف کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اذکار ودعائیں

ماہِ صیام میں اذکار اور دعاؤں کے اہتمام کی بھی خاص فضیلت ہے۔ یہ روزے کی حالت میں خاص طور سے لہو ولعب سے بچنے کا آسان ذریعہ بھی ہے۔ دنیاوی امور ودیگر مصروفیات کے موقع پر اذکار کا اہتمام باعث برکت بھی ہے۔اذکار سے بندہ لہو ولعب سے بچتا ہے اور یادِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ماہِ صیام میں اللہ کے رسول ﷺ نے قبولیت

دعا کے مختلف اوقات بتلائے ہیں۔ ہر بندہ مؤمن کو ان اوقات میں بھرپور دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔اپنی حاجات' مسائل اور مشکلاتِ حیات کو بندوں کے سامنے پیش کرنے' آستانوں یا مزاروں کے چکر لگانے کے بجائے اخلاص اور سوزِ دل کے ساتھ مالکِ حقیقی کے سامنے رکھیں تو کوئی عجب نہیں کہ ہر ایک کی مرادیں برآئیں۔

حقوق العباد

اللہ کے رسول ﷺ نے ماہِ صیام کو ''شَهْرُ الْمُوَاسَاة'' (ہمدردی وغم خواری کا مہینہ) بھی قرار دیا ہے۔غریبوں' محتاجوں' مسکینوں' ضرورت مندوں' چاہے وہ رشتہ دار ہوں یا پڑوسی' شناسا ہوں یا اہل محلّہ' ان کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کا معاملہ کرنا چاہیے اور ان کے غم کو بانٹنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے علاوہ صدقات وخیرات کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس ماہ میں کسی سائل کو بھی مایوس نہیں کرتے تھے۔عید کے موقع پر بالخصوص عید کی خوشیوں میں ان ضرورت مندوں کو شامل کرنے کی ممکنہ کوشش کرنی چاہیے۔ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ انہیں نئے ملبوسات دینے کا اہتمام کرنا چاہیے یا کم از کم اپنے پرانے ملبوسات انہیں دے کر عید کی خوشیوں میں انہیں شامل رکھا جا سکتا ہے۔

ماہِ صیام میں اگر مذکورہ عبادات کو صحیح روح سے ادا کرنے کی مخلصانہ کوشش کی جائے تو یقیناً ماہِ صیام ''نیکیوں کا موسم بہار'' ثابت ہو سکتا ہے۔نیکیوں کے اس موسم سے بھرپور استفادہ کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے۔ دیگر نیکیوں کو سال کے دیگر ایام میں بھی انجام دیا جا سکتا ہے' لیکن جن عبادات کو ماہِ صیام سے مخصوص کیا گیا ہے انہیں دیگر ایام میں بجالانا ممکن نہیں ہے' اس لیے مختلف تاویلات کے ذریعہ اس ماہِ صیام کی عبادتوں کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا احمق پن کی نشانی ہے۔ اس نکتے کو سارے مسلمانوں کے سامنے پرزور انداز میں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں مساجد کے خطیب حضرات' انجمنوں' اداروں' دینی ومذہبی تنظیموں کے ذمہ داران کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کریں اور لایعنی امور ومعاملات اور محض کاروبار وتجارت یا اکل وشرب کے پیچھے پڑ جانے سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

اللہ کا ذِکر: روح کی غذا

مرتب: پروفیسر عبداللہ شاہین

انسان اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ یہ روح و بدن کا حسین امتزاج ہے۔ بقولِ شاعر مشرق علامہ اقبال ع ''خاکی ونوری نہاد، بندۂ مولا صفات'' —— روح نوریٔ الاصل اور عالَمِ بالا کی شے ہے اور بدن، خاکی اور زمینی مخلوق ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا گیا تو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا:

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾﴾ (بنی اسرائیل)

''(اے حبیب!) فرما دیجیے! روح میرے رب کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو (اس بارے میں) بہت کم علم دیا گیا ہے۔''

یعنی روح اللہ کے حکم خاص سے وجود میں آنے والی مخلوق ہے، جس کی حقیقت کا حتمی علم اللہ عالم الغیب والشہادۃ کے ہی پاس ہے۔ گویا روح اسرارِ کائنات میں سے ایک ہے، جس کے ادراک سے انسانی عقل قاصر ہے۔

روح مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے۔ اجسام محض خول ہیں جنہیں ہم موت کے وقت یوں پرے پھینک دیتے ہیں جس طرح کپڑے اُتار دیے جائیں۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اس جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے جو انتہائی لطیف ہے، حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ روح غیر فانی ہے، البتہ یہ دونوں ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں۔ جب یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ نیند کی حالت میں روزانہ یہ جسم لطیف، جسے روح کہتے ہیں، جسم خاکی سے الگ ہو جاتا ہے اور بیدار ہونے کی صورت میں جسم خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ (الزمر: ۴۲)

''اللہ ہی لوگوں کی روحیں مرنے کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جو مرتے نہیں، ان کی روحیں سوتے وقت قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے، ان کو روک لیتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔''

جسم خاکی کی زندگی کا دار و مدار زمینی غذا پر ہے اور جسم لطیف یعنی روح کی حیات تسلیم و عبادت اور ذکر سے وابستہ ہے، بفحوائے عبارت قرآنی:

﴿..... اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد)

''.....آگاہ رہو کہ دل اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان پاتے ہیں۔''

جس طرح زمینی غذا (نباتات وغیرہ) کے بغیر جسم مر جاتا ہے، اسی طرح ذکر و عبادتِ رب کے بغیر روح مردہ ہو جاتی ہے۔ گویا دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔

حیرت ہے کہ انسان اس جسدِ خاکی، جس کی اوسط عمر ساٹھ ستّر برس ہے، کے تقاضوں کو تو ہر طریقے سے پورا کرتا ہے۔ کہیں محنت سے، کہیں لوٹ مار سے، کہیں انصاف بیچ کر اور کہیں ایمان دے کر، لیکن داخلی عنصر (روح) کی خبر تک نہیں پوچھتا۔ اپنے اردگرد نظر ڈالیے۔ یہ بازاروں میں چہل پہل، دفتروں میں ہماہمی، سڑکوں پر موٹروں کی دوڑ بھاگ، کسان کا ہل، مزدور کا کدال، منشی کا قلم، طالب علم کی کتاب، یہ سب کیا ہیں؟ جسمانی ضروریات بہم پہنچانے کے وسائل۔ دولت فراہم کرنے کے لیے ہر انسان کا قدم اس تیزی سے اٹھ رہا ہے کہ اس راہ میں نہ وہ کسی رکاوٹ کی پروا کرتا ہے اور نہ کسی مصیبت کو خاطر میں لاتا ہے۔ آج کراچی میں ہے تو کل لندن اور پرسوں واشنگٹن میں۔ سفر عین راحت اور کلفت عین مسرت۔ اگر کسی چیز میں دو سال بعد دو چار سو کا فائدہ دیکھے تو اسے آج خرید کر گوداموں میں بھر لیتا ہے۔ اگر دس سال بعد مالٹوں کی فروخت سے اسے دس بیس ہزار روپے وصول ہو سکتے ہوں تو ان کے پودے آج لگا کر دس سال تک انہیں کھاد اور پانی دیتا ہے۔ جس بچے نے سولہ برس بعد ایم اے بن کر نوکری کرنا ہو، اسے سولہ سال تک درس گاہوں میں بھیجتا اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے۔ عارضی جسم کی ضروریات کے لیے دوڑ دھوپ کا یہ عالَم ہے، لیکن روح، جس نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے، اس کی پروا ہی نہیں!

روح کی بات سنئے۔ روح کی گہرائیوں سے دمادم یہ صدا اُٹھ رہی ہے کہ میں لازوال ہوں، ابدی و سرمدی ہوں۔ یہ وہ صدا ہے جس کی تائید قرآن و سنت سے ہوتی ہے اور جس کی تصدیق

تمام انبیاء اور رسولوں نے کی۔

تمام مسرتوں اور توانائیوں کا سرچشمہ اللہ ہی ہے۔ جو شخص اس ذات سے رابطہ قائم کر لیتا ہے اس کی ہستی عمیق اطمینان وسکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ بالآخر کہنا پڑتا ہے کہ ہزار اسباب عیش مہیا کر لیجیے، محل بنائیے، کاریں خرید لیجیے، جو کچھ بھی کیجیے، سکون کبھی حاصل نہیں ہوگا۔ یہ نعمتِ عظمیٰ صرف ایک ذریعے سے مل سکتی ہے اور وہ ہے ذکرِ الٰہی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب!

لہٰذا ؎

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ!　　کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

چنانچہ روح کو قوی بنانے اور روحانی سکینت وطمانیت حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم تعلق باللہ قائم کر لیں۔ یعنی ''گناہ'' جو اللہ سے بغاوت کا نام ہے، اسے ترک کر کے، اللہ کی خواہش اور مرضی میں ڈھل جائیں۔ عبادت، پاکیزگی اور تقویٰ کو اپنا شعار بنالیں۔ دل میں نیاز وگداز اور اللہ کی محبت کی دنیا بسالیں۔ ہماری بصارت وسماعت کا یہ عالَم ہو جائے کہ ''منکرات'' سے آنکھیں اور کان بند کر لیں اور صرف ''اوامرِ الٰہی'' کے لیے انہیں وا کریں۔ ہمارے لیے نور ہدایت کے سرچشمے پھوٹ پڑیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ﴾

(النور:۳۵)

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اُس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق، جس میں ایک روشن چراغ ہے۔''

اللہ کائنات میں کہیں نظر نہیں آتا، لیکن اس بے مثال چراغ، قندیل اور فانوس کا نور ہر روزن سے نکل کر دنیا کو منور کر رہا ہے۔ انسان کا چہرہ اُس کا روشن دان ہے۔ جب اللہ دل میں گھر کر لیتا ہے اور رچ بس جاتا ہے تو اُس کا نور اسی روشن دان سے چھن چھن کر باہر نکلتا ہے۔ اور اگر دل میں اللہ کی بجائے شیطان جگہ بنالے اور ڈیرے لگالے تو چہرے سے خشونت، یبوست اور آنکھوں سے شیطنت ٹپکنے لگتی ہے۔ (قیامت کو بھی کچھ چہرے ہنستے مسکراتے، رخشندہ ودرخشندہ اور کچھ روسیاہ ہوں گے۔) یہ چیز پیدا ہوتی ہے نالۂ نیم شب کے نیاز، خلوت کے گداز، دیدۂ تر کی

بے خوابیوں اور دل کی پوشیدہ بے تابیوں سے، اور آج کے ظاہر پرست ان لذتوں سے ناآشنا ہیں۔ یہ درست، کہ بہاروں میں بڑی مستی ہے۔ جھومتی گھٹاؤں، طلوع وغروب آفتاب اور کوہساروں میں آبشاروں کا ترنّم از بس وجد آور ہے، لیکن جو کیف ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اس میں اتنی وسعت وگہرائی ہے کہ اس کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ جب انسانِ حقیر رب عظیم کے ذکر میں کھو جاتا ہے تو دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ روح بلند ہونے لگتی ہے۔ روح کی بالیدگی، وسعت اور اس کا سفر، ذکر کی بدولت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس گداز کو پالیں۔

اللہ کے ذکر میں ہمارا ہی فائدہ ہے، وگرنہ ہمارا کفر اللہ سے نہ اس کا عرش چھین سکتا ہے نہ اس کی بادشاہت میں دخل دے سکتا ہے۔ یہ ہمارے ہی فائدہ کے لیے ہے۔ اس سے ہم میں جمال، لطافت اور تکریم پیدا ہوتی ہے۔ ہماری ہستی میں جاذبیت آتی ہے اور وہ ذاتِ برتر ہماری دوست، مددگار، وکیل، کفیل اور محافظ بن جاتی ہے۔

مسلم وغیر مسلم میں فرق ہی یہ ہے کہ غیر مسلم کی نظر صرف مادی دنیا پر ہوتی ہے، یہ دنیائے دل سے ناواقف اور دوامِ حیات کا منکر ہوتا ہے۔ لیکن ایک مسلم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ زندگی اگلی لامتناہی زندگی کی ایک کھیتی ہے۔ یہاں جو بیجو گے اس کی فصل اگلے جہان میں کاٹو گے۔ وہ روح وجسم ہر دو کے تقاضوں پر نظر رکھتا ہے اور دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ چنانچہ انسان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے سیاہ کاری وبدکاری سے اپنی روح میں تلخیاں بھر لیں اور جہان بھر کا اضطراب خرید لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے حسین وبلند اعمال سے روح میں سکون ومسرت کی دنیا بسالی۔ مؤخر الذکر لوگ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اللہ صاحبِ جمال وجلال کی طرف سے آواز آتی ہے:

﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾﴾ (الفجر)

''اے نفسِ مطمئنّہ! اب لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تم اُس سے راضی، وہ تم سے راضی۔ تو داخل ہو جاؤ میرے (نیک) بندوں میں۔ اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں!''

ربّ رحیم وکریم نے ہم پر خاص نوازش فرمائی ہے کہ صراطِ مستقیم کی تمام علامات بتادیں، پگڈنڈیوں

سے خبردار کر دیا۔ نیز یہ علم عطا فرما دیا کہ ہماری جبروت وعظمت کے گن گانے والے اور راتوں کو ہمارے حضور میں گڑگڑانے والے کبھی راہِ حق سے نہ بھٹکیں گے۔ چنانچہ جو لوگ گناہوں سے بچنے کے بعد نغمہ ہائے حمد وثنا گاتے ہیں وہ دولت اطمینان سے بہرہ وافر پاتے ہیں۔

یہ ''سحر خیزی'' ہی وہ ادارہ (Academy) ہے جہاں تربیت حاصل کرنے کے لیے سرورِ عالم ﷺ کو یوں تاکید کی گئی:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾﴾ (بنی اسرائیل)

''نماز قائم رکھیے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک' اور قرآن کا پڑھا جانا فجر کے وقت۔ یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے۔ اور رات کے ایک حصے میں آپؐ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ' یہ اضافی چیز ہے آپ کے لیے' امید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

تکریم ومحبوبیت کا یہ مقامِ جلیل' شب خیزی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ سورۃ المزمل میں بھی تلقین ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾﴾

''اے چادر اوڑھنے والے (حبیب)! رات کو قیام کیا کرو (نماز میں) سوائے اس کے تھوڑے سے حصے کے (یعنی) اس کا آدھا یا اس سے تھوڑا کم کر لیجیے۔ یا اس پر تھوڑا بڑھا لیں اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (مزے لے کر) پڑھا کرو۔ ہم عنقریب آپؐ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ رات کا قیام (نفس کو) خوب پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکرِ الٰہی بھی خوب ہوتا ہے۔ یقیناً دن کے اوقات میں تو آپؐ کے لیے بڑی مصروفیات ہیں اور آپؐ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں اور ہر طرف سے کٹ کر بس اسی کے ہو رہیں۔''

اور سورۂ الم نشرح میں ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾﴾

''پس جوں ہی دنیا کے ضروری کاموں سے فارغ ہو تو محنت اور لگن سے اپنے رب کے ذکر اور عبادت کی طرف راغب ہو جایا کرو۔''

نیز سورۃ السجدۃ میں تہجد گزار بندوں کی صفات کو یوں بیان فرمایا:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾

''ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں اور اپنے رب کو (سزا کے) خوف اور (معافی کی) امید سے پکارتے ہیں' اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں۔''

آج دنیا تلاشِ سکون میں سرگرداں ہے۔ یہ سکون کہیں باہر نہیں' بلکہ مَن کی دنیا ہی میں ملے گا۔ دنیا اللہ کی یاد سے آباد ہوتی ہے۔ بقول اقبال ؎

''مَن کی دنیا' مَن کی دنیا سوز ومستی جذب وشوق''

لہٰذا

''اپنے مَن میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی!''

چنانچہ صوفی حضرات مشاہدۂ ذات پر زور دیتے ہیں اور مقصدِ تصوف ہی یہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس بلندی پر پہنچنے کے لیے مراقبہ واستغراق کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ عزوجل کی ذات کا مشاہدہ سب سے اعلیٰ نعمت ومسرت ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہونے کے باوجود ایک تجلّی کو بھی برداشت نہ کر سکے تو ہم کم ظرف لوگ ''مشاہدۂ ذات'' کی تاب کیسے لا سکتے ہیں؟

بات یہ ہے کہ دورِ حاضر کے صوفی منزل وراہِ منزل' ہر دو سے ناآشنا ہیں۔ ان میں سے بعض صرف تسبیح وتہلیل پر تو زور دیتے ہیں لیکن مخاطب کی عملی زندگی کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ عبادت' اظہارِ عبودیت کا نام ہے اور ''عبودیت'' چوبیس گھنٹے کی زندگی اور معمولات کا اللہ تعالیٰ کی مرضی میں ڈھل جانے کا نام ہے۔

اوّل: ترکِ گناہ یعنی اللہ کی بغاوت سے رک جانا۔

دوم :اللہ کے ہر حکم اور اشارے کی تعمیل کرتے ہوئے مکمل بندگی اور غلامی اختیار کر لینا۔

ان دو اقدام کے بعد انسان سراپا تسلیم بن جاتا ہے اور جب وہ حضورِ حق میں سر جھکاتا ہے تو اس کی روح اور جسم میں کامل ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جو عبادت گزار جھوٹ بولتا‘ ظلم توڑتا اور دوسرے انسانوں کو ستاتا ہے‘ اس کا جسم بے شک اللہ کی عبادت کرتا ہے‘ لیکن روح شیطان کی غلامی میں جکڑی رہتی ہے۔ چنانچہ جسم خواہ عبادت بھی کرے لیکن اگر روح عاصی و سرکش ہے تو انسان کامل نہیں۔

قرآن حکیم کے مطابق انسان کی زندگیاں دو ہیں۔ ایک اس قفسِ عنصری کی جو عارضی اور فانی ہے اور دوسری وہ جو بعد از موت شروع ہو گی۔ کوئی دانش مند چند روزہ عیش کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کو تباہ نہیں کر سکتا اور دانایانِ رازِ فطرت نے ہمیشہ یہی کیا ہے کہ اس ہمیشہ کی زندگی کے مفاد کو مقدم رکھا۔ چنانچہ تمام انبیاء اور حکماءِ عالم اس حقیقت پر متفق ہیں کہ تمام مسرتوں‘ لذتوں اور نعمتوں کا منبع و سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے‘ اور جب تک اس سے رابطہ نہ پیدا کیا جائے یہ چیزیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جب ہم اپنی زندگی کو اس کے عطا کردہ قوانین کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں تو حریمِ دل کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہماری ہستی کے در و دیوار ربانی نور سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الحدید: ۲۸)

تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔ آج ہی تمام گناہوں کو چھوڑ دیجیے۔ عبادت‘ تلاوت‘ تہجد کو معمول بنائیے۔ اللہ کو اُس کے پیارے پیارے ناموں سے یاد کیجیے۔ پھر دیکھئے کہ کس طرح آپ پر مسرت و انبساط کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں‘ کس طرح آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

جسمانی لذتوں سے تو ہم سب واقف ہیں۔ کھانا‘ پینا‘ سونا‘ کھیل کود‘ عمدہ لباس‘ کار‘ کوٹھی یہ سب جسمانی لذتیں ہیں جو ناپائیدار‘ سطحی اور کھوکھلی ہیں‘ جن سے انسان بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسی لذتیں بھی ہیں جن کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے‘ مسکین کو کھانا کھلانے اور نادار طالب علم کی مالی امداد کرنے سے روح جھوم اٹھتی ہے۔ یہ خوشی عبادت و ریاضت سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو خود عابد بن کر دیکھئے یا ان لوگوں سے پوچھئے جو رات کے وقت دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر خشوع و خضوع سے ربِ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں‘ جو سکوتِ شب میں نغمہ ہائے تقدیس الاپتے ہیں تو ان کو

رات کے سیاہ پردوں کے پیچھے ایک محبوبِ ازلی حجلہ نشین محسوس ہوتا ہے‘ چنانچہ یہ سب سے بڑی حقیقت ہے کہ تمام لذتوں اور مسرتوں میں بلند ترین اللہ کا دیدار ہے۔ وہ لوگ تو یقیناً دید کے مشتاق ہوں گے جنہوں نے اس کی خاطر سب کچھ قربان کیا‘ گھر بار لٹایا‘ وطن چھوڑا‘ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں‘ حتیٰ کہ اپنی جان پر کھیل گئے۔ کیا وہ اس کائناتِ زرنگار کے صناع کو دیکھنا نہ چاہتے ہوں گے جس نے ہمارے دماغ میں فکر و آگہی کی جوت جلائی‘ دل میں وجدان کی حق بیں آنکھ لگائی‘ کاروانِ بہار کو سیلِ رنگ و بو عطا کیا‘ فضاؤں میں ہوائیں‘ ہواؤں میں گھٹائیں اور گھٹاؤں میں مستیاں بھر دیں۔ تاہم ایک کتاب میں ایک طالب علم کو مطالب کا جہان دکھائی دیتا ہے اور جاہل کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر کے لیے چمن دیوانِ اشعار ہے اور غیر شاعر کے لیے محض موسمِ بہار کی جلوہ گاہ۔ صاحبِ دل ذاکر الٰہی کے لیے ہر درخت کا ہر پتا دفترِ معرفتِ پروردگار ہے اور عامی کے لیے صرف سامانِ سایہ و زینت۔

اس غفلت شعاری کو قرآن حکیم نے الہامی پیرائے میں یوں بیان کیا ہے:

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ﴾ (النجم)

(اے حبیب ﷺ!) اُس سے اعراض کیجیے جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیر لیا ہے اور وہ (غافل لوگ) صرف دنیا کی زندگی کے طالب ہیں۔ ان (نادانوں) کا علم ہی اتنا ہے۔‘‘

حالانکہ دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَّ زِیۡنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ﴾ (الحدید: ۲۰)

’’جان لو! دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت اور تمہارے آپس میں فخر اور مال و اولاد کی کثرت کی طلب و خواہش ہے۔‘‘

قرآن حکیم نے کتنی پُرمغز بات کہہ دی ہے کہ ’’ان کا علم ہی اتنا ہے!‘‘

بہرحال یہ دنیا ہماری منزل نہیں۔ آپ بے شک محل بنائیں‘ کاروں میں سفر کریں اور دیگر طیباتِ حیات سے فائدے اٹھائیں‘ لیکن منزل نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ جس طرح کار کا ڈرائیور گاڑی چلاتے ہوئے اپنے ہمراہ سفر کرنے والے ساتھی سے باتیں بھی کر رہا ہوتا ہے‘ لیکن ہاتھ سٹیرنگ پر اور نظر سڑک پر ہوتی ہے تاکہ کہیں حادثہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ جوار بابِ

دولت دولت کے انبار لگانے کی بجائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' دل و دماغ میں پاکیزگی کی ایک دنیا بسا لیتے ہیں اور منبع نور و قوت اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں وہ اپنی منزل یعنی آخرت کی کامیابی کو پا لیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے دولت مند کتنے ہیں؟ معدودے چند ہی ہوں گے جو کوئی ٹرسٹ قائم کر لیں یا مفادِ عامہ کا کوئی ادارہ بنوا دیں' وگرنہ اکثر دولت مند تو حریص' تنگ ظرف' کنجوس' عیاش اور سنگدل واقع ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے مذہبی یا قومی کاموں کے لیے ہاتھ پھیلایا جائے تو ہاتھ پر تھوک دیتے ہیں۔ لیکن خبردار ہو جائیے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ ہونے والی دولت مختلف راہوں سے نکل جاتی اور ضائع ہو جاتی ہے۔ مثلاً بدمستی' فحش کاری' حکام کی ضیافتیں' الیکشن لڑنے' کتے لڑانے' گھوڑے دوڑانے' بھانڈ میراثی' میلے اور شادیاں وغیرہ۔ اللہ کے ہاں ان سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ قرآن مجید سے سنیے:

﴿كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤﴾ (الهمزة)

''ہرگز نہیں' وہ تو یقیناً جھونک دیا جائے گا حطمہ (توڑ پھوڑ دینے والی آگ) میں۔''

اور

﴿إِنَّ لَدَيْنَآ أَنكَالًا وَجَحِيمًا ۝١٢ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝١٣﴾ (المزمل)

''یقیناً ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور وہ کھانا جو حلق میں اٹک جائے گا اور دردناک عذاب۔''

انسانی خدمت کا جذبہ اور بے نفسی پیدا ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس حقیقت پر یقین نہ ہو کہ آگے ایک دائمی زندگی شروع ہونے والی ہے جہاں حسین اعمال کا صلہ جنات اور محلات کی صورت میں ملے گا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی عزت اور شرف حاصل ہوگا' جبکہ بدکار لوگوں کو قبر میں سانپوں اور بچھوؤں اور دوزخ میں انگاروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ دولت مند جو اس جہان میں دولت کے جائز مزے بھی لوٹ رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انسان دوستی اور اللہ پرستی سے جنت بھی بنا رہے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْءَاخِرَةِ﴾ (یونس:٦٤)

''ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔''

(یہ مضمون جناب غلام جیلانی برق کی کتاب ''مَن کی دنیا'' سے مرتب کیا گیا ہے۔)

❁❁❁

بیت المقدس اور فلسطین
پر قبضے کی یہودی منصوبہ بندی
ماضی اور حال کے آئینے میں

مولانا محمد جہان یعقوب

صدیوں کی جہاں گردی کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام کیا۔ ۱۸۹۷ء ''میں صہیونی تحریک'' معرض وجود میں آئی' جس کا بنیادی نصب العین فلسطین پر قبضہ کرنا اور ''ہیکل سلیمانی'' کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لیے عملی جدوجہد کرنا تھا۔ بڑے بڑے یہودی مالداروں نے اس تحریک کی پشت پناہی کی اور فلسطین کی زمینیں خریدنے اور وہاں یہودی بستیاں تعمیر کرنے کی غرض سے ان کی امداد کی۔

(۱) یہودی سازش سے سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ

اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں ہٹلر نے ترکی خلیفہ سلطان عبدالحمیدؒ کو لالچ دینا چاہا کہ اگر وہ سرزمینِ فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کی اجازت دے دیں' تو یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں' لیکن سلطان نے اس پیشکش کو انتہائی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور کہا:

''اس وطن کی سرزمین کو' جسے ہمارے آباء واَجداد نے خون دے کر حاصل کیا تھا' ہم چند درہموں کے بدلے نہیں بیچیں گے' ہم اس وطن کی ایک بالشت برابر زمین بھی اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک اس پر ہمارا خون نہ بہہ جائے۔''

اس بات پر یہودی' سلطان کے خلاف سرگرمِ عمل ہوگئے اور بالآخر ۱۹۰۸ء میں انہیں خلافت سے معزول کر دیا گیا اور سلطنتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ چنانچہ اسرائیلی

وزیر دفاع نے بیان دیا تھا: سلطان عبدالحمید کی حکومت کا خاتمہ ہم نے کیا تھا۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کے واحد غیور حکمران تھے' جو یہودی عزائم کی راہ میں رکاوٹ تھے' چنانچہ اسی جرم میں یہودیوں نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے لیے یہودیوں نے اپنا روایتی 'پروپیگنڈے کا ہتھیار' استعمال کیا' عوام کو خلیفہ کے خلاف اکسایا' سول نافرمانی کی سی صورتِ حال پیدا کی' جس کے نتیجے میں سلطان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اُس وقت تک فلسطین خلافت عثمانیہ کا ایک صوبہ تھا۔ پورے فلسطین میں کسی جگہ کوئی یہودی بستی موجود نہیں تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ نے پابندی لگا رکھی تھی کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہنے والے یہودی اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لیے وِزِٹ ویزے پر فلسطین آ کر چند روز قیام کر سکتے ہیں' لیکن انہیں فلسطین میں زمین خریدنے اور آباد ہونے کی اجازت نہیں ہوگی' کیونکہ خلافت کے علم میں یہ بات تھی کہ یہودی فلسطین میں بتدریج آباد ہونے اور اس پر قبضہ جمانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں' تاکہ وہ اسرائیل کے نام سے اپنی ریاست قائم کر سکیں۔

سلطان عبدالحمید ثانیؒ نے' خلافت سے دست برداری کے بعد جو اپنی یادداشتیں مرتب کیں' ان میں لکھا ہے: یہودیوں کی عالمی تنظیم کے سربراہ ہرتزل نے متعدد بار مجھ سے خود ملاقات کر کے خواہش ظاہر کی کہ وہ فلسطین میں زمین خرید کر محدود تعداد میں یہودیوں کو آباد کرنا چاہتے ہیں' مگر میں نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ پھر کہا کہ آپ ہمیں ایک اعلیٰ سطحی یونیورسٹی قائم کرنے کی اجازت دے دیں۔ میں نے کہا کہ اس کی بھی صرف ایک صورت میں اجازت ہے کہ یہ یونیورسٹی فلسطین کے علاوہ کہیں بھی بنائی جائے' کیوں کہ مجھے اندازہ تھا کہ وہ اس یونیورسٹی کو بھی یہودی آبادکاری کے لیے وسیلے کے طور پر استعمال کریں گے۔ سلطان نے لکھا ہے: ایک بار ہرتزل نے میرے سامنے چیک بک رکھ کر منہ مانگی رقم دینے کی پیشکش بھی کی' جس کے جواب میں مَیں نے انتہائی تلخ لہجے میں ہرتزل کو ڈانٹ دیا اور اس سے کہا کہ میری زندگی میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہی تھا وہ جرم' جس کی پاداش میں سلطان کو خلافت سے معزول کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ ان کو خلافت سے معزولی کا پروانہ پہنچانے والوں میں ترکی کی پارلیمنٹ کا یہودی ممبر بھی شامل تھا۔ سلطان کے بعد جو بھی عثمانی امراء آئے' وہ نرم روی سے چلتے رہے' یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد فلسطین کو برطانیہ نے اپنے کنٹرول میں لے لیا اور برطانوی گورنر کی زیرنگرانی یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دنیا کے مختلف حصوں سے یہودی آتے اور فلسطین میں زمین خرید کر آباد ہوجاتے۔ اس موقع پر سرکردہ علمائے کرام نے صورتِ حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ چونکہ یہودی فلسطین میں آباد ہوکر بیت المقدس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور اپنی ریاست قائم کرنے کے خواہش مند ہیں' اس لیے یہودیوں کو فلسطین کی زمین فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں' لہٰذا فلسطینیوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اراضی یہودیوں کو فروخت نہ کریں۔ (مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''بوادر النوادر'' میں اس موضوع پر خود ان کا تفصیلی فتویٰ بھی موجود ہے۔)

علمائے کرام کی یہ مہم کارگر نہ ہوئی۔ اس کی جوہری وجوہ یہ تھیں: اول: حکومت کے ہم نوا علماء نے عوام کو باور کرایا کہ حضرت مہدیؒ کے آنے کا زمانہ قریب ہے اور وہ یہودیوں کو ویسے بھی فلسطین سے بے دخل کرکے تمہاری اراضی تمہارے حوالے کردیں گے' اس لیے انہیں اپنی اراضی فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چند دن کی بات ہے' تمہیں یہودیوں سے رقم تو مل ہی رہی ہے' زمین بھی واپس تمہیں مل جائے گی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہودی دوگنی تگنی قیمتوں پر زمینیں خرید رہے تھے اور اہل فلسطین لالچ میں آکر زمین فروخت کرنے پر آمادہ ہوجاتے تھے۔

اب مسلم اکثریتی فلسطین کے بیشتر علاقوں پر یہودی قابض ہیں۔ مسجد اقصیٰ' جو انبیائے بنی اسرائیل کے سجدوں کی گواہ ہے' یہود بے بہبود کے پنجۂ استبداد میں ہے' وہاں عام مسلمانوں کو داخلے اور دینی رسوم تک ادا کرنے کی اجازت نہیں۔ ستم بالائے ستم' اب بیت المقدس میں امریکی سفارت خانہ بھی قائم ہونے جارہا ہے' جس کے بعد مسلمانوں پر عرصۂ حیات مزید تنگ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ ہمارے مسلم حکمران انکل سام کے اشارۂ ابرو پر اسرائیل کی حمایت کرنے لگ جائیں۔ اگر ایسا ہوا' تو یہ بہت بڑا المیہ ہوگا۔ شاہ فیصل شہیدؒ اور بھٹو مرحوم نے مسلم اقوام متحدہ اور مالیاتی اداروں' نیز مسلم کرنسی کے لیے تحریک چلائی' جس کے جرم میں وہ اپنوں کی تیغِ ستم کا نشانہ بنے۔ صدام حسین' معمر قذافی نے ان کا انجام دیکھ کر راستے بدلے' مگر انہیں بھی نہیں بخشا گیا۔

(۲) یہودی سازش سے مسلمان باہم برسرِ پیکار

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی' تو برطانویوں کی سازش سے ترک اور عرب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے۔ ترکی' جرمنی اور عرب برطانیہ کے حلیف تھے۔ یوں یہودی سازش کامیاب ہوئی اور مسلمان' اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوگئے۔

(۳) اعلانِ بالفور

اسی دوران میں ''وائزمین'' نامی ایک یہودی نے انگریزوں کو پیشکش کی' کہ اگر وہ جرمنی پر فتح حاصل کرنے کے بعد فلسطین کی سرزمین کو یہودیوں کا قومی وطن قرار دیں تو اس جنگ میں یہودیوں کے سارے خزانے ان کے قدموں تلے قربان کردیئے جائیں گے۔ ''وائزمین'' اس یہودی تحریک کا لیڈر تھا' جو فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کے لیے سرگرم تھی۔ آخرکار وہ ۱۹۱۷ء میں انگریزوں سے وعدہ لینے میں کامیاب ہوگیا کہ فتح کی صورت میں وہ فلسطین کو ایک آزاد یہودی وطن بنادیں گے۔ یہ وعدہ ''اعلانِ بالفور'' کے نام سے مشہور تھا۔ ''بالفور'' اس وقت کے برطانوی سیکرٹری خارجہ کا نام تھا' اسی کے نام سے اس اعلان کو موسوم کیا گیا۔ ''معاہدہ بالفور'' کے مطابق انگریزوں نے ولدالزنا لارس کی قیادت میں سازش کا جال پھیلایا۔ گورنر مکہ شریف حسین' لارس کے فریب میں آکر ترکوں سے غداری پر آمادہ ہوگیا' جس سے سلطنت عثمانیہ کی فوجی قوت کو بڑا نقصان پہنچا اور اس کے نتیجے میں فلسطین اور عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہوگیا۔

فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری

دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی جرنیل ''ایلن بی'' فاتحانہ طور پر بیت المقدس میں داخل ہوا' تب اس نے فخر سے کہا: ''میں آخری صلیبی ہوں''۔ اس جملے کا مفہوم یہ تھا کہ بیت المقدس پر قبضے کے لیے یورپی مسیحیوں نے ۱۰۹۶ء میں صلیبی جنگوں کے جس سلسلے کا آغاز کیا تھا' اس کا اختتام اب ہوا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں فلسطین کی یہودی آبادی محض چھپن ہزار تھی' لیکن پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کی فتح کے ساتھ ''اعلان بالفور'' پر عمل درآمد شروع کردیا گیا' اور یہودیوں نے فلسطین کی طرف ہجرت شروع کردی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۲ء تک فلسطین میں یہودیوں کی آبادی ۸۳ ہزار تک جا پہنچی۔ ۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) نے فلسطین پر

حکومت کرنے کا عارضی اختیار برطانیہ کو سونپ دیا' اور اسے ہدایت کی کہ فلسطین کے حکومتی نظم و نسق میں یہودی تنظیموں کو باقاعدہ طور پر شریک کیا جائے۔ برطانوی انقلاب کے زمانے میں یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا کام منظّم انداز میں کیا گیا' اور فلسطین کی زمینیں حاصل کرنے کے لیے یہودیوں نے خزانوں کے منہ کھول دیئے' عربوں پر ٹیکس لگائے گئے' اور ٹیکسوں کے بہانے بنا کر ان کی زمینیں ضبط کر کے انہیں یہودیوں کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران بھی یہودی فوج در فوج فلسطین میں داخل ہوئے اور انگریز انہیں تمام تر سہولتیں مہیا کرتا رہا' اور یوں ۱۹۴۷ء تک یہودیوں کی تعداد ۸۳ ہزار سے بڑھ کر ساڑھے چار لاکھ تک جا پہنچی۔

مسئلۂ فلسطین اقوامِ متحدہ میں

۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں پیش کر دیا' چنانچہ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کیا۔ اس فیصلے کے مطابق فلسطین کا ۵۵ فیصد رقبہ یہودیوں کو اور ۴۵ فیصد رقبہ عربوں کو دیا گیا۔ یہ تقسیم انتہائی ظالمانہ اور بدنیتی پر مبنی تھی' کیوں کہ فلسطین میں عرب آبادی ۶۷ فیصد اور یہودی آبادی ۳۳ فیصد تھی۔ لیکن یہودی اس تقسیم پر بھی راضی نہ ہوئے اور مار دھاڑ کر کے عربوں کو ان کی زمینوں سے نکالنا شروع کر دیا۔

اسرائیل کا قیام

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے اپنے قومی وطن ''اسرائیل'' کے ناجائز وجود کے قیام کا اعلان کر دیا' جسے امریکہ' روس اور برطانیہ نے سب سے پہلے تسلیم کیا۔ نومبر ۱۹۴۸ء میں جب اقوام متحدہ نے جنگ بندی کا اعلان کیا' تو اُس وقت تک اسرائیل فلسطین کے ۷۸ فیصد رقبے پر قبضہ کر چکا تھا۔ اردن نے مشرقی بیت المقدس کو یہودیوں کے قبضے میں جانے سے بچا لیا جہاں مسجد اقصیٰ واقع تھی۔

قبلۂ اوّل یہود کے تسلّط میں

جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے باقی ماندہ بیت المقدس' مصری

صحرائے سینا اور شام کی جولان پہاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ یوں مسلمانوں کا قبلۂ اوّل بیت المقدس بھی غیر مسلموں کے تسلّط میں چلا گیا۔

جب سے یہودیوں نے ''بیت المقدس'' پر قبضہ کیا ہے' تب سے اسے یہودی شہر منظور کرانے کی غرض سے متعدد اقدامات کیے گئے ہیں۔ بیت المقدس کی سڑکوں کے اسلامی نام یہودی ناموں سے تبدیل کر دیے گئے ہیں اور اسرائیل نے بیت المقدس کو اپنا دارالحکومت قرار دے کر بڑے بڑے سرکاری محکموں کو بیت المقدس میں منتقل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہودی اسلامی آثار کے خاتمے کے لیے جو اقدامات کر رہے ہیں' ذیل میں اس کا مختصر نقشہ کھینچا جاتا ہے۔

اسلامی آثار کے خاتمے کے لیے یہودی اقدامات

(۱) مساجد کے خلاف یہودی اقدام: کسی بھی جگہ کے اسلامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ''مسجد'' ہوتی ہے' جہاں سے روزانہ پانچ مرتبہ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور مسلمان بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں مسجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے اب تک بیت المقدس کی بیسیوں اور پورے فلسطین کی سینکڑوں مساجد کو شہید' جبکہ کئی مساجد کو یہودی عبادت خانوں' شراب خانوں' کلبوں اور ہوٹلوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

(۲) حَیّ المَغاربة: کئی جگہوں کو یہودیوں نے جھوٹے دعوے کی بنا پر یہ باور کروایا کہ یہ جگہیں یہودیوں کی تاریخی' روحانی اور قابلِ احترام جگہیں ہیں اور مسلمانوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہی میں سے ایک جگہ ''حیّ المَغاربه'' بھی ہے' جسے یہودیوں نے ۱۹۶۷ء میں یہ دعویٰ کرتے ہوئے مکمل طور پر گرا دیا تھا' کہ اس کے پڑوس میں واقع ''دیوارِ گریہ'' (حائط المبکیٰ) ہیکل سلیمانی کا بقیہ حصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''حیّ المَغاربه'' نامی اس پورے محلے کو اہل مغرب (مراکشیوں) نے تعمیر کیا تھا' اور اِسے ان مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جو مسجد اقصیٰ میں طلب علم کی خاطر بیت المقدس آیا کرتے تھے۔ جب یہودیوں نے اسے گرایا تو اُس وقت اس محلے میں مسلمانوں کے ۱۳۵ خاندان آباد تھے' جو بے گھر ہو گئے۔ یہاں چار عدد مسجدیں بھی تھیں' جنہیں نیست و نابود کر دیا گیا اور ایک دینی درسگاہ جو مدرسہ افضلیه کے نام سے تھی' اسے بھی گرا دیا گیا' جسے ''سلطان الملك الافضل'' نے چھٹی

صدی ہجری میں تعمیر کر کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

(۳) مسجد اقصیٰ: مسجد اقصیٰ میں آئے دن سر پھرے اور مسلح یہودی داخل ہو جاتے ہیں' اس کے تقدس کو پامال کرتے ہیں اور اس میں غیر اخلاقی حرکتیں اور شراب نوشی کرتے ہیں' تاکہ مسلمان مشتعل ہوں' جس کے نتیجے میں فوج کو انہیں قتل کرنے اور مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچانے کے مواقع میسر آ سکیں۔ اسرائیلی یونیورسٹیوں' کالجوں اور اسکولوں میں نوجوان طالب علموں کو ہیکل سلیمانی کی اہمیت باور کرا کے مسجد اقصیٰ کے خلاف قدم اٹھانے پر ابھارا جا رہا ہے' کہ مسلمان ظالم قوم ہیں کہ انہوں نے ہیکل کی جگہ پر مسجد اقصیٰ کو تعمیر کر دیا ہے' اس لیے اسے گرانا اور اس کی جگہ پر ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنا ہر اسرائیلی یہودی پر فرض ہے۔ حالاں کہ یہودیوں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ قبلہ اول مسلمانوں کی میراث ہے اور اس کی تعمیر مسلمانوں کے ہاتھوں ہوتی رہی ہے۔

اب یا کبھی نہیں!

آج مسلم حکمران ''اب یا کبھی نہیں'' کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔ کوئی یہودی عزائم کے آگے خواہ 'شیطانِ اَخرس' یا بھیگی بلی بنا رہے یا لوہے کا چنا ثابت ہو' یہود کی نظر میں وہ دشمن ہی ہے۔ یہ ہر ایک کے اپنے نصیب کی بات ہے کہ وہ شریف حسین والیٔ مکّہ کی صف میں جگہ پانا چاہتا ہے' یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ و نور الدین زنگیؒ کے ساتھ اپنا حشر چاہتا ہے: ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا!
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!
تقدیر اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مؤمن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ!

❁❁❁

شام کا ماضی، حال اور مستقبل

محمد ندیم پشاوری ☆

بلادِ شام دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ یہاں پر سامی اقوام اور زبانوں کے بے شمار آثار دستیاب ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ خطہ انتہائی اہم اور مقدس ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں۔ مثلاً:

(۱) آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ میرے تکیے کے نیچے سے کتاب کا ایک بنیادی حصہ مجھ سے واپس لیا جا رہا ہے۔ میری نظروں نے تعاقب کیا' اُدھر سے نور پھوٹ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شام میں رکھ دیا گیا ہے۔ پس جب فتنے رونما ہوں تو ایمان شام میں ہوگا۔''(۱)

(۲) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شام کے لیے خوشحالی ہے''۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''رحمٰن کے فرشتے اس پر اپنے پَر پھیلائے ہوئے ہیں۔''(۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپؐ مجھے بتائیں کہ میں کس علاقے میں قیام کروں؟ اگر مجھے پتا ہو کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ لمبے عرصے تک رہیں گے تو میں آپؐ کی رفاقت کے علاوہ کہیں اور رہنے کو ہرگز ترجیح نہ دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شام کی طرف جاؤ' شام کی طرف جاؤ''۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ مجھے شام پسند نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ اس بارے میں کیا فرماتا ہے؟'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''شام میری زمینوں میں سے وہ منتخب کردہ زمین ہے جہاں میں اپنے بہترین عابدوں کو داخل کرتا ہوں۔''(۳)

☆ای میل: nts14303@gmail.com

(۱) صححه البانی فی فضائلِ الشام و دمشق۔ (۲) سنن الترمذی' ح:۲۲۱۷۔
(۳) رواه ابوداؤد و احمد بسند صحیح۔

(۴) مسکن ابنِ حوالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب امر (جہاد) اس طرح ہوگا کہ تم لشکروں کے مجموعے بنو گے' ایک لشکر شام میں ہوگا' ایک یمن میں اور ایک لشکر عراق میں''۔ ابن حوالہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں یہ صورت پاؤں تو آپؐ میرے لیے کسی لشکر کا انتخاب فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم شام کے لشکر کو لازم پکڑنا' کیونکہ وہ اللہ کی سرزمین میں ایک پسندیدہ خطہ ہے اور وہ اپنے بندوں کو اس طرف لائے گا' البتہ اگر تم وہاں نہ جاؤ تو تم یمن کا رخ کرنا اور اس کے حوضوں سے سیراب ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے شام اور اہلِ شام کی محافظت کی مجھے ضمانت دی ہے۔''(۴)

(۵) سلمہ بن نفیل الکندی رضی اللہ عنہ سے نسائی کی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان والوں کا گھر شام ہے۔''(۵)

(۶) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب اہلِ شام فساد کا شکار ہو جائیں تو پھر تم میں کوئی خیر نہیں۔ میری اُمت میں سے ایک طبقہ نصرت مند رہے گا۔ جو لوگ انہیں بے یارو مددگار چھوڑیں گے' وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں گے' یہاں تک کہ قیامت آجائے۔''(۶)

(۷) اور ایک حدیث ''غوطہ'' کے بارے میں بھی سن لیجیے' جسے آپ ﷺ نے سخت جنگی حالات میں مسلمانوں کا ہیڈ کوارٹر قرار دیا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب تمہارے لیے شام فتح ہو جائے گا۔ اس میں ایک جگہ جسے ''غوطہ'' کہتے ہیں' سخت جنگوں میں مسلمانوں کا بہترین ٹھکانا ہوگی۔''(۷)

انسانی تاریخ کے موجودہ المیے میں شام کے شہریوں کی اجتماعی نسل کشی نے انسانیت کے تمام دعووں کو جھوٹ ثابت کر دیا ہے' اور یہ فرعونیت اُن تمام اداروں اور تنظیموں کے کردار پر سوالیہ نشان ہے جو آئے روز انسانیت کا ڈھونگ رچاتے ہوئے اس کے تحفظ کے بلند بانگ دعوے کرتے نظر آتے ہیں۔ شام اس دنیا میں جہنم کی نظیر بن چکا ہے۔ حالات مزید سنگین ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ کچھ عرصے بعد یہ جنگ بے مہار ہو جائے گی اور جنگ بندی کے لیے ہر ملک اپنا کردار ادا کرنے سے تہی دامن دکھائی دے گا۔ شام میں جاری اس

(٤) سنن ابی داوٗد' ح:٢٤٨٣۔ (٥) سنن النسائی۔
(٦) سنن الترمذی' ح ٢١٩٢۔ (٧) مسند احمد۔

گھمسان کی لڑائی کا مقصد کیا ہے؟ کیوں مہذّب شہری اپنی موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیوں عالمی طاقتوں نے زور آزمائی کے لیے شام کی مقدس سرزمین کو منتخب کیا ہے؟ مختصر یہ کہ شام کا اصل قضیہ کیا ہے؟ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات اور موجودہ حالات کو سمجھنے کے لیے چند امور کو پیش نظر رکھنا اصل قضیے کی طرف رہنمائی کا واحد ذریعہ ہے۔ شام میں مقتدر طبقہ کا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ اقتدار تک پہنچنے کے لیے اُن کی ریشہ دوانیوں کی داستان کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے؟ برسوں سے شام میں جاری جنگ وجدل کی نوعیت کیا ہے اور اس جنگ میں کون کون سے ممالک براہِ راست اور کون بالواسطہ شریک ہیں؟ کون کس کا حلیف ہے اور کون کس کے مدِمقابل اور مخالف ہے؟ یہ ممالک اس مقدس سرزمین میں کس قسم کے مفادات کا حصول چاہتے ہیں' اُن کے عقائد ونظریات اور ان کا ایجنڈا کیا ہے؟ یہی وہ امور ہیں جو عالمی طاقتوں کے شطرنج کا کھیل سمجھنے میں مدد فراہم کریں گے۔

پہلی عالمی جنگ عظیم تک بلادِ شام ایک وسیع وعریض علاقہ پر مشتمل تھا' لیکن جب خلافت اسلامیہ کمزور پڑی' مسلمان ملکوں پر یہود ونصاریٰ یا ان کے کاسہ لیس حکمرانوں کو مسلط کیا گیا تو انگریزوں اور اہلِ فرانس کی مکاری سے بلادِ شام کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا' چنانچہ موجودہ شام ۱۹۲۰ء میں دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا' لیکن ۱۹۴۶ء تک اس پر فرانس کا قبضہ برقرار رہا۔ دوسری جنگ عظیم میں فرانس کمزور پڑ گیا اور جب حکومتِ فرانس کو محسوس ہوا کہ وہ شام پر مزید اپنا تسلط برقرار نہیں رکھ سکیں گے تو فرانس نے ۱۹۴۴ء میں کیے جانے والے معاہدۂ آزادی کو دوبارہ تسلیم کر لیا اور ۱۵/اپریل ۱۹۴۶ء کو فرانسیسی اور برطانوی افواج شام سے کوچ کر گئیں۔ بالآخر ۱۷/اپریل ۱۹۴۶ء کو شام نے آزادی کا اعلان کر دیا۔

تاریخ میں جس خطے کو ''بلادِ شام'' کہا گیا ہے' وہ موجودہ چار ملکوں پر مشتمل علاقہ ہے:

(۱) حالیہ شام (دارالحکومت دمشق) جہاں ان علویوں کا خونی پنجہ مسلم جسم کو نوچ رہا ہے جو اہل سنت اور اہلِ تشیع دونوں کے نزدیک مسلمان ہی نہیں۔

(۲) فلسطین (دارالحکومت بیت المقدس) جہاں پون صدی سے یہود قابض ہیں۔

(۳) لبنان (دارالحکومت لبنان) جہاں مسلمانوں کو اقلیت میں رکھا گیا ہے اور مختلف طریقوں سے ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔

(۴) اردن (دارالحکومت عمان) جہاں برطانوی استعمار کے پرانے ایجنٹ اور نمک خوار مسلط

ہیں اور صہیونیوں سے یاری کا حق ادا کرتے ہیں۔

بلادِ شام کو تقسیم کرنے کے بعد باقاعدہ پلاننگ کے تحت ان چاروں ملکوں سے اسلامی اَقدار اور آثار مٹانے کی کوشش کی گئی اور اس کے لیے فرانسیسیوں نے اپنے بااعتماد اور تاریخی اتحادی ''نصیریہ'' اور ''علویہ'' کی خدمات حاصل کیں۔ سُنّی مسلمان اور شیعہ حضرات دونوں ان کو اسلام سے خارج سمجھتے تھے۔ خلافتِ عثمانیہ کے زمانے تک یہ فرقے خاموش رہے' لیکن سقوطِ خلافت کے فوراً بعد ہی انہوں نے مخصوص ایجنڈے پر کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ شام کے ساحلی پہاڑی کے ساتھ واقع ایک علاقہ ''لاتیکا'' میں مقیم تھے جو پہلے قسطنطینی ریاست کے زیر اہتمام تھا۔ ۱۹۳۶ء میں جب فرانسیسی حکمرانوں نے اس علاقے کا شام کے ساتھ الحاق کرنا چاہا تو فرانس میں قائم شدہ پاپولر فرنٹ کے سربراہ کو اِنہوں نے میمورنڈم بھیجا' جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

''(۱) علوی لوگ' جنہوں نے کئی سالوں تک بڑی غیرت اور قربانیوں کے ساتھ اپنی آزادی کی حفاظت کی ہے' دوسرے سنی مسلمانوں سے مختلف ہیں۔

(۲) علوی' مسلم شام کے ساتھ اپنے الحاق کا انکار کرتے ہیں' کیونکہ شام کا سرکاری دین اسلام ہے اور اسلام کے مطابق علوی کافر ہیں۔

(۳) ہم اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ دِمشق کے مسلمانوں نے اپنے درمیان رہنے والے یہودیوں کو ایک دستاویز پر دستخط کرنے پر مجبور کیا کہ وہ فلسطین میں رہنے والے اپنے بدقسمت یہودی بھائیوں کو مدد نہیں بھیجیں گے۔ یہودیوں کی فلسطین میں قابلِ رحم حالت اسلام میں موجود اس زیادتی کی واضح مثال ہے جو کہ وہ غیر مسلموں سے روا رکھتا ہے۔ حالانکہ ان اچھے یہودیوں نے عربوں کے اندر تمدن اور امن کی آبیاری کی' سونا بانٹا اور بغیر کسی کا مال لوٹے اور نقصان پہنچائے فلسطین میں خوشحالی لے آئے۔ پھر بھی مسلمانوں نے ان کے ساتھ اعلانِ جنگ کیا اور سرکارِ برطانیہ کی فلسطین میں موجودگی اور فرانس کی شام میں موجودگی کے باوجود ان کا قتل عام کرنے سے بھی نہ ہچکچائے۔ چنانچہ رائے عامہ کا احترام نہ کرتے ہوئے اگر مسلم شام کو مسلم فلسطین کے ساتھ اکٹھا کر دیا گیا تو ان یہودیوں اور دوسری اقلیتوں کا بدترین انجام ہوگا۔''

اس میمورنڈم کے ایک ایک لفظ سے اسلام دشمنی اور یہود سے دوستی ٹپکتی ہے اور اس پر

دستخط کرنے والوں میں سے ایک نام ''سلمان الاسد'' کا ہے جو کہ کلبیہ قبیلے کا سردار تھا۔ یہ سلمان الاسد موجودہ صدر بشار الاسد کا دادا اور حافظ الاسد کا باپ تھا۔شام کے فرانسیسی حکمرانوں نے جن کو اصل خطرہ سنی اسلام سے تھا' ان علویوں کی ایک علیحدہ فوج تشکیل دی اور انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ یہی فوج فرانسیسی سامراج سے آزادی کے بعد شامی نیشنل آرمی کہلائی۔ ۱۹۴۶ء میں علوی خاندان کے ہونہار فرزند نے صرف سولہ سال کی عمر میں بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ نوجوان کوئی اور نہیں حافظ الاسد ہی تھا جس نے سیاست میں شمولیت کے ساتھ ساتھ نیشنل آرمی بھی جوائن کر لی تھی۔ بعث پارٹی نے جب ۱۹۵۸ء میں ناصر کی تعلیمات سے متاثر ہو کر شام کا مصر کے ساتھ الحاق کرنے کا ارادہ کر لیا تو پارٹی میں موجود علویوں نے ۱۹۶۳ء میں ایک علوی ''صالح جدید'' کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ حافظ الاسد جو کہ ایک جنگجو پائلٹ تھا' یکایک ایئر فورس کمانڈر بنا دیا گیا۔ فوج کے تقریباً سات سو عہدوں پر پرانے افسروں کو نکال کر نئے نصیری کمانڈر تعینات کیے گئے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شام کی شکست کے بعد حافظ الاسد' جو کہ اب وزیر دفاع بن چکا تھا' نے شامی حکومت پر اسرائیل کے ساتھ خفیہ مراسم رکھنے کا الزام لگایا اور ایک محلاتی سازش کے تحت ۱۱ مارچ ۱۹۷۱ء کو اقتدار پر قابض ہو گیا۔ حافظ الاسد کے صدر بنتے ہی شامی قانون میں ایک تبدیلی کی گئی۔ شامی قانون کے مطابق صدر بننے کے لیے ''سُنّی مسلمان'' ہونا ضروری تھا' جبکہ حافظ الاسد نے اس شق کو تبدیل کر کے حکمران کا صرف ''مسلمان'' ہونا کافی قرار دے دیا۔ ۱۹۷۳ء میں لبنان کے اثنا عشری رافضی امام موسیٰ الصدر نے ایک فتویٰ جاری کیا جس کے مطابق نصیریوں کو باقاعدہ شیعہ فرقے کا ایک گروپ تسلیم کر لیا گیا۔ یہ فتویٰ مذہبی سے زیادہ سیاسی تھا جس کے پیچھے عالمِ عرب میں رافضی اقتدار کو فروغ دینا تھا۔ اور یوں نصیری حضرات کی شام پر گرفت مزید مضبوط ہوئی۔

شامی مسلمان ایک تو مذہبی حمیت کی وجہ سے کسی نصیری کو اپنا حکمران ماننے پر تیار نہ تھے' اور دوسری طرف وہ سمجھتے تھے کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں نصیری حکومت نے واقعی اسرائیل کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا جس کے افشا ہونے پر حافظ الاسد کو برطرف کرنے کے مطالبات کا آغاز ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں حافظ الاسد کے خون آشام نصیری دستوں نے حماۃ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا۔ صرف جیلوں میں موجود

بارہ سو اخوان المسلمون کے قیدیوں کو بغیر مقدمہ چلائے مار دیا گیا اور حماۃ کے شہریوں پر ٹینک چڑھا دیے گئے۔ سنی جو کہ شامی آبادی کا تقریباً ۷۰ فیصد ہیں' اس وقت سے طرح طرح کی مشکلات کا شکار ہیں' خاص طور پر وہ علاقے جو کہ ۱۹۸۰ء کے انقلاب میں بڑے سرگرم تھے' جیسے کہ حماۃ' درہ' حمص۔ یہی وجہ ہے کہ مارچ ۲۰۱۱ء میں شروع ہونے والا موجودہ انقلاب بھی انہی شہروں سے شروع ہوا۔

۲۰۱۱ء میں لیبیا کے صدر معمر قذافی کی ڈکٹیٹر شپ اپنے انجام کو پہنچی اور ۲۰۱۴ء میں شہریوں کی انتھک جِدّوجُہد سے تیونس کے زین العابدین کی ۲۴ سالہ بادشاہت کا خاتمہ ہوا۔ شام کے شہریوں نے محسوس کیا کہ عوام کی طاقت حکمرانوں کو اپنے مطالبات منوانے کے لیے مجبور کر سکتی ہے یا پھر اقتدار سے فارغ کر سکتی ہے تو شامی عوام بھی اپنے مطالبات لیے سڑکوں پر نکل آئے۔ وہ صرف حکومت میں سیاسی اصلاحات چاہتے تھے' تاہم پندرہ مارچ کو حکومتی فورسز نے درعا میں نہتے عوام پر فائرنگ کر دی' جس کے نتیجے میں چار شہری ہلاک ہوئے۔ اسی دن درعا میں سکول کے طلبہ نے بشار الاسد کو مخاطب کر کے دیوار پر اس نعرے کی وال چاکنگ کی ''جائك الدور یا دکتور'' کہ اے ڈاکٹر! اب (قذافی کی طرح) تمہاری باری ہے۔ ۱۵ مارچ ۲۰۱۱ء سے ۲۸ مارچ ۲۰۱۱ء تک حکومتی کریک ڈاؤن کے نتیجے میں ساٹھ مظاہرین ہلاک ہوئے اور بشار الاسد نے عالمی برادری کے مطالبات مسترد کرتے ہوئے مظاہرین کے خلاف کارروائی جاری رکھی۔ جولائی ۲۰۱۲ء میں حکومتی کریک ڈاؤن کا سلسلہ حلب تک پھیل گیا۔ وہاں مظاہرین اور حکومتی دستوں میں لڑائی شروع ہوئی تو یہ تاریخی شہر تباہی سے دوچار ہونا شروع ہو گیا اور درعا' حمص' ادلب اور دمشق کے نواح میں جاری خانہ جنگی مزید شدت اختیار کر گئی۔ اسی دوران حکومت مخالف مظاہرین کی تحریک مکمل باغی فورس میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

دسمبر ۲۰۱۲ء میں برطانیہ' امریکا' فرانس' ترکی اور خلیجی ممالک نے باغی اپوزیشن کو شامی عوام کی قانونی نمائندہ تسلیم کر لیا اور اُن سے تعاون بھی شروع کر دیا۔ اس وقت بھی شامی صدر نے عالمی مطالبات مسترد کر دیے اور یوں پرامن احتجاج اور چند مطالبات کی کوکھ سے اس جنگ کا آغاز ہوا۔ اس تحریک نے چند ماہ میں پورے شام کا احاطہ کر لیا۔ ہر جگہ بشار الاسد کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ ان مظاہروں کو کچلنا بشار الاسد کے لیے اتنا آسان نہ تھا لیکن ایران نے حزب اللہ' پاسدارانِ انقلاب اور فاطمیوں کی بدولت بشار الاسد کے لیے ان مظاہروں کو کچلنا

آسان بنا دیا۔ آج اس جنگ میں ایران‘ امریکہ‘ روس اور ترکی براہِ راست شریک ہیں‘ جبکہ سعودی عرب اور قطر بالواسطہ تعاون کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں‘ جبکہ اسرائیل کے بھی مفادات وابستہ ہیں۔ ان تمام کے مفادات اور نظریات مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام میں اس وقت جنگ کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ علوی اور نصیری سُنّی مسلمانوں کو چُن چُن کر مار رہے ہیں اور اپنی انتقامی آگ بجھانے کی کوشش میں ہیں‘ جبکہ دیگر ممالک اپنے اپنے مفادات کے حصول کی خاطر خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔

شام کی سرزمین پر اب دو عالمی طاقتیں آمنے سامنے ہیں۔ دونوں کا دعویٰ ہے کہ وہ دہشت گرد تنظیم داعش کے خلاف لڑ رہے ہیں‘ مگر حقیقت میں یہ جنگ اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ہے۔ امریکہ اور روس کے شام میں اپنے اپنے مفادات ہیں جن کے لیے وہ یہاں دخیل ہیں اور شام کو تباہ کر رہے ہیں‘ حالانکہ یہ نئی جنگ داعش کے خلاف جنگ کے نام پر شروع ہوئی ہے۔ اب تک یہاں امریکہ اور اس کی ہمنوا طاقتیں سرگرم تھیں‘ مگر اب اس کے بیچ جس طرح روس نے انٹری لی ہے وہ امریکہ کے لیے دردِ سر سے کم نہیں ہے۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ وہ داعش جیسی عالمی دہشت گرد تنظیم کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے شام کے میدان میں کود پڑا ہے مگر حقیقت میں وہ انہیں تحفظ فراہم کر رہا ہے۔ ورنہ کیا سبب ہے کہ ایک مدت سے لڑنے کے دعوے کے باوجود امریکہ اور مغربی ممالک کو کامیابی نہیں ملی اور چند دن میں روس نے داعش کا پورا سسٹم تباہ کر دیا۔ امریکہ ایک طرف داعش کی مدد کر رہا ہے تو دوسری طرف سُنّی مسلمانوں کو ہتھیار اور فنڈز فراہم کر رہا ہے تاکہ بشار الاسد کی حکومت کو ختم کیا جا سکے اور کسی امریکہ نواز اور اسرائیل نواز ڈکٹیٹر کو لایا جا سکے جو امریکہ کو دیر الزور میں تیل کے کنوؤں تک رسائی کو یقینی بنائے اور وسطی ایشیا میں روس کی بڑھتی ہوئی قوت کا سدِّ باب کرے۔

امریکا جیسے اسلام دشمن نے بشار الاسد کے خلاف بیان اور میزائل داغے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب سے بڑی استعماری طاقت کے دل میں مسلمانوں کا درد جاگ اٹھا ہے۔ جس طاقت نے مسلمانوں کی ایک ناتواں مظلوم بہن عافیہ صدیقی کو ۸۶ سال قید کی سزا دے دی اور مسلمانوں کے جذبات کا ذرا بھی خیال نہ کیا اور جس کی پشت پناہی سے فلسطینی مسلمانوں کی ہر شب شبِ غم اور ہر دن یومِ حزن ہے‘ اس کے بارے میں کوئی سمجھ دار شخص یہ توقع نہیں کر سکتا کہ اسے شامی مسلمانوں سے کوئی ہمدردی ہے۔

اس کے علاوہ امریکہ اسرائیل کے دیے ہوئے ایجنڈے کے مطابق شام کو مزید چار ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی کوشش میں مصروفِ عمل ہے تاکہ چاروں ٹکڑے پانی‘ تیل اور زراعت کے لیے آپس میں لڑتے رہیں اور اسرائیل کے خلاف مزاحمت کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس کے لیے وہ ایک طرف بشار الاسد کے خلاف سُنّی مسلمانوں کی مالی اور ہتھیاروں کے ذریعے مدد کر رہا ہے تو دوسری طرف داعش کو انہی سنی مسلمانوں کے قتل عام پر لگا رکھا ہے۔ اس خانہ جنگی کے نتیجے میں اس وقت شام دنیا کے ان ممالک میں شامل ہو چکا ہے جہاں مردوں کا تناسب سب سے کم رہ گیا ہے۔ ایک سروے کے مطابق وہاں نوجوانوں کے جنگ کی نذر ہونے اور بوڑھوں کے امراض اور مصائب سے فوت ہونے کے بعد ستّر فیصد سے زیادہ محض خواتین رہ گئی ہیں۔ وہ شہر جو خطرے کی زد سے باہر ہیں‘ وہاں بھی لڑکیوں کے لیے رشتہ ملنا‘ دنیا کا سب سے مشکل کام بن گیا ہے۔ جنگ زدہ علاقوں یا مہاجر کیمپوں میں موجود بے چارے لوگوں کے مسائل کا اندازہ ہمیں اپنے گھروں میں بیٹھ کر نہیں ہو سکتا۔ اتنا جان لینا کافی ہے کہ صاف پانی کا ایک گلاس مل جانا‘ ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

روس نے ۲۰۱۳ء سے اس جنگ میں حصہ لیا ہوا ہے۔ اس جنگ میں کودنے سے روس کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ وہ شام کو بچانے کے لیے اب کیوں آگے آیا‘ پہلے کیوں نہیں آیا؟— اس قسم کے سوال اٹھنے فطری ہیں۔ روس نے دہشت گرد تو مار گرائے لیکن انتہائی اہم سوال زندہ کر دیے— اس کا جواب صاف ہے کہ یہ جنگ مفادات کی جنگ ہے۔ نہ تو امریکہ مسلمانوں کا حامی ہے اور نہ ہی روس کو ان کے ساتھ کسی قسم کی محبت ہے۔ اصل کھیل بشار الاسد کو بچانے اور ہٹانے کا ہے۔ امریکہ نے دہشت گردوں کا نیٹ ورک اسد کے خلاف کھڑا کیا تھا تاکہ وہ اسد کو کمزور کریں اور امریکہ یہاں اپنے کسی کٹھ پتلی کو بٹھا سکے‘ جب کہ روس کے مفادات اسد سے وابستہ ہیں‘ لہٰذا وہ کسی بھی حال میں اسے بچانا چاہتا ہے۔ روس کی معیشت کا تقریباً چالیس فیصد توانائی کی برآمد سے آتا ہے۔ اس میں بھی قدرتی گیس ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ امریکہ اور اسرائیل نہیں چاہتے کہ گیس کے لیے یورپ کو روس پر انحصار کرنا پڑے۔ روسی صدر ولادی میر پیوٹن کسی بھی حالت میں امریکہ کے اس منشا کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ یہی سبب ہے کہ دونوں ممالک نے اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لیے شام کو محاذ کے طور پر منتخب کیا ہے۔

اس کے علاوہ روس کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ وہ اسلحے کی عالمی منڈی میں اپنا مقام بنائے۔ اس وقت ۸۵ ارب ڈالر سالانہ کی اس منڈی میں روس کا حصہ پانچ فیصد بھی نہیں بنتا ہے۔ روس نے دوسری عالمی جنگ کی تقریبات کے موقع پر ''بینکا'' نامی شہر میں جدید ترین روسی ہتھیاروں کی نمائش کی تھی۔ روس کے دارالحکومت ماسکو کے مضافاتی شہر میں منعقد ہونے والی اس بڑی عسکری نمائش میں ٹینک' توپیں' جنگی ہیلی کاپٹر' ریڈار سمیت دیگر جدید اسلحہ نمائش کے لیے رکھا گیا تھا' لیکن خریدار روسی اسلحے کے مؤثر ہونے کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھے۔ یوں یہ نمائش بھی روسی اسلحے کے نئے خریدار تلاش کرنے میں ناکام رہی تھی۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سوویت دور میں افغانستان' افریقہ اور مشرقی یورپ میں سوویت اسلحے کی ناکامی کا بھوت روسی اسلحے سے چمٹا ہوا ہے۔ اس بار روس شام میں اس امید کے ساتھ آیا ہے کہ مغربی اسلحے کی ناکامی کے بعد روس اگر اس جنگ میں بشار کو بچانے میں کامیاب ہوگیا تو روسی اسلحے کی فتح ہوگی' جس کے بعد بہت سے نئے گاہک مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ روس اس جنگ میں اپنا ہر طرح کا اسلحہ استعمال کر رہا ہے۔ شام میں زمینی اور فضائیہ کی موجودگی کے باوجود اُس نے بحیرہ خزر سے مہنگے ترین کروز میزائیل داغے ہیں۔ لیکن زمینی حقائق خواہشات سے مختلف ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ شامی مزاحمت کاروں نے پہلے ہی معرکے میں جس طرح روسی اسلحے کو شکست فاش دی ہے اور جس طرح روسی ٹینک تباہ ہوئے ہیں' یقیناً اس کے بعد روسی پالیسی ساز اپنے فیصلے پر پچھتا رہے ہوں گے۔

شام میں روسی مداخلت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شامی اور روسی سرحد کے درمیان پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے' اگر شام میں امریکی کاسہ لیس اور ڈکٹیٹر اقتدار میں آتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ چیچنیا میں روس کے خلاف برسرپیکار مجاہدین کی مزاحمتی تحریک کو وسائل مہیا کیے جاسکیں تاکہ روس کی عالمی طاقت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے۔

ایران شام میں بشار الاسد کا حمایتی ہے' اسی لیے لبنان کے اشارے پر پاسدارانِ انقلاب اور حزب اللہ جیسی تنظیموں کے ذریعے بشار الاسد کے ساتھ مل کر سُنّی تحریک ختم کرنے کے درپے ہے۔ ایران ایک طرف تو مسلکی رشتے کی بنیاد پر بشار الاسد کی مدد کر رہا ہے تو دوسری طرف سنی مسلمانوں کے ازلی دشمن اور ازلی اسلام دشمن یعنی یہودیوں سے گہری دوستی کی بنیاد پر اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ شہادت کے طور پر اسرائیل کی حیفہ یونیورسٹی کے ماہر لسانیات

''جان ماہل'' کا اعتراف کافی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علویوں کے مذہبی عقائد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ یہودی حامی اور سُنّی دشمن ہیں۔ اور تو اور اسرائیل کے نقطہ نظر سے بھی یہ ان کے لیے بہتر ہے کہ شام میں نصیری برسراقتدار رہیں۔ اگر شام میں سنی اقتدار میں آتے ہیں تو کسی بھی وسیع پیمانے پر فلسطین اور اسرائیل کا جھگڑا ایک جذباتی ردعمل کو جنم دے گا اور شام کو نتائج کی پرواہ کیے بغیر اسرائیل کے ساتھ ایک بین الاقوامی جنگ میں کھینچ لائے گا۔

سعودی عرب اور قطر ایران دشمنی کی وجہ سے سُنّی باغیوں کی صرف مالی امداد کر رہے ہیں۔ سعودی عرب کا شاہی خاندان کبھی یہ نہیں چاہتا کہ بشار الاسد کی حکومت کا خاتمہ ہو اور خطے میں جمہوریت آئے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت ختم کرنے کے لیے سعودی عرب اور قطر نے سب سے زیادہ زور لگایا۔ انہیں ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہا ہے کہ کہیں ان کے ملک میں بھی عوام جمہوری حقوق کا مطالبہ نہ شروع کردیں اور امریکہ کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ خلیج ممالک میں جمہوریت نہ آئے' کیونکہ عوام کا رویہ امریکہ کی حمایت میں نہیں جب کہ حکمران امریکہ کے پٹھو ہیں۔ اور اسرائیل بھی نہیں چاہتا کہ کوئی بھی عرب ملک اتنا مضبوط ہو کہ کسی بھی وقت اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکے۔

درحقیقت اس تمام تر سازش کے پیچھے یہودیوں اور اسرائیل کا ہاتھ ہے۔ گریٹر اسرائیل کے قیام کے لیے مشرقِ وسطیٰ کی ریاستوں کے توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ عراق اور لیبیا کے بعد اب شام اور یمن میں جنگ و جدل کا بازار گرم ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اس عمل میں مسلمانوں کو ہی استعمال کیا جارہا ہے۔ اس کو مسلمان حکمرانوں کی عاقبت نااندیشی کہیے یا اقتدار کی لالچ اور ہوس کہ وہ صہیونی آلہ کار بن گئے ہیں۔ اس وقت نہ کوئی طاقتور غیرملکی مداخلت اور نہ ہی کوئی سیاسی مذاکرات اس جنگ کو ختم کرسکتے ہیں' بلکہ ایک شدید خطرہ یہ ہے کہ ایک نہایت ہی خطرناک قسم کی پراکسی جنگ چھڑ سکتی ہے جس میں امریکہ اور سعودی عرب ایک طرف اور روس اور ایران ان کے مقابل کھڑے ہوں گے۔ کاش! کہ مسلم ممالک کے سربراہان اس سنگین قضیے کو امریکا اور روس کی صوابدید پر نہ چھوڑیں۔ انہیں شام' افغانستان اور کشمیر سمیت اپنے تمام لاینحل مسائل کو حل کرنے کے لیے عالمی طاقتوں کی کاسہ لیسی ترک کرکے ایک صف میں کھڑے ہونا ہوگا' ورنہ تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

❁❁❁

''مہذّب حیوانیت''

مسز بینا حسین خالدی ☆

عورت کے حوالے سے جدید تہذیب کے دو ستون ہیں' ایک مکمل جنسی مساوات اور دوسرا مکمل جنسی آزادی۔ مکمل جنسی مساوات تو دیوانے کا ایک ایسا خواب ہے جو آج تک نہ کبھی شرمندۂ تعبیر ہوا ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگا' کیونکہ یہ فطرت کے خلاف احمقانہ بغاوت ہے۔ کوئی بھی عورت سر کے بال کٹوانے' مردوں کا سا لباس زیب تن کرنے اور مَردوں کے سے اعمال اختیار کر لینے یا مردانہ پیشوں میں اپنا وقت اور قوت کھپانے سے کبھی مرد نہیں بن سکتی' کیونکہ یہ اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ نہ وہ اپنی رضا اور مرضی سے عورت پیدا ہوئی ہے اور نہ اپنی مرضی سے ان تمام نسوانی اور حیاتیاتی امور سے متّصف ہوئی ہے' بلکہ کسی اور پیدا کرنے اور پرورش کرنے والی قوت نے اسے عورت پیدا کیا ہے۔ وہ عورت ہی رہے گی اور بطور عورت ہی مرے گی۔ دنیا کی کوئی سائنس اسے بدل نہیں سکتی۔ اگر وہ مصنوعی طور پر مرد بننے کی کوشش بھی کرے تو اس مصنوعی مرد کو سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا کہ وہ اپنی نسوانیت اور اس کے جوہر سے محروم ہو جاتی ہے۔ مکمل جنسی مساوات (یعنی مَردوں کے برابر حقوق) کا مطالبہ اور دعویٰ کر کے وہ فطرت کے ساتھ گھٹیا مذاق کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں اپنے وجود کو مضحکہ خیز اور مسخرے پن کا نمونہ بنا لیتی ہے۔

جہاں تک مکمل جنسی آزادی کا تعلق ہے اس کا تجربہ اہل یورپ خصوصاً فرانس اور امریکہ کے لوگ کر چکے ہیں۔ اور اس فلسفے کا نتیجہ نہ صرف عورت کی تباہی بلکہ انسانیت کی بربادی کی صورت میں بارہا تاریخ عالم میں بھی ظاہر ہوتا رہا ہے اور موجودہ دور میں بھی سائنسی ترقی کی اوج پر پہنچنے والے معاشرے اپنی تہذیب و معاشرت میں مکمل طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔

بدقسمتی سے آج پاکستانی معاشرے میں بھی خواتین جنسی مساوات اور جنسی آزادی

☆ ایڈووکیٹ۔ صادق آباد

کا مطالبہ دہرا رہی ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دنوں اسلام آباد میں کچھ الٹرا ماڈرن خواتین نے انہی نظریات کے حق میں مظاہرہ کیا۔ اگرچہ پاکستان میں حقوقِ نسواں' عورتوں پر تشدد کے خاتمے اور عورتوں کی معاشی خودمختاری کے حق میں بہت سی تنظیمیں کام کر رہی ہیں' جس کے مثبت نتائج ظاہر ہوئے ہیں' لیکن جنسی مساوات یا جنسی آزادی کا مطالبہ یا نظریہ افراط و تفریط اور انتہاپسندی پر مبنی رویہ ہے جس کے منفی اثرات گھر' خاندان اور تہذیب و تمدن کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

پاکستان میں تعلیم اور معیشت کے میدان میں خواتین کو مَردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ ان کو زیادہ سے زیادہ برسرروزگار بنانے کے لیے نئے نئے تجارتی ادارے اور شعبے قائم کیے جا رہے ہیں۔ سرکاری ملازمتوں میں بھی ان کے لیے مخصوص کوٹے مقرر کیے جاتے ہیں۔ تعلیم اور صحت کے شعبوں میں خواتین کے لیے زیادہ سے زیادہ آسامیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔ ٹیکنیکل ایجوکیشن' انجینئرنگ' ادویات سازی' یہاں تک کہ آرمی اور ہوابازی جیسے شعبوں میں بھی خواتین کو موقع دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو آزمائیں۔ جن قبائلی معاشروں میں خواتین جبر و استحصال کا شکار ہیں اس کے تدارک کے لیے بھی قانون سازی کی گئی ہے — بلکہ محترمہ عامرہ احسان کے الفاظ میں نوبت یہاں تک آ چکی ہے کہ: ''چوراہے پر ٹریفک کنٹرول کرنے' دکان پر سوداگری کرنے' ٹیلی ویژن سکرین پر دل لبھانے سے لے کر سیاست کی گدی پر جوڑ توڑ کرنے' ہوائی جہازوں سے چھلانگ لگانے تک (عورت ہر جگہ موجود ہے!) — نہیں موجود تو قرار اور وقار سے ٹک کر انسان سازی جیسی اعلیٰ و ارفع' نفع بخش' اہم ترین ذمہ داری سے طویل رخصت لیے غائب ہے!''

اس سب پر مستزاد اسلام آباد کی سڑکوں پر خواتین کے مذکورہ مظاہرے کا مقصد جنسی مساوات اور جنسی آزادی کے حصول کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ان کے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے پلے کارڈز پر لکھی تحریریں بھی اسی نظریے کی عکاسی کر رہی تھیں۔ ''میرا جسم میری مرضی'' کا سلوگن دکھا کر یہ خواتین کیا کہنا چاہتی تھیں؟ ان کے اس مظاہرے کا مقصد کسی ظلم کا ازالہ یا کسی مظلوم کی حمایت نہیں تھا۔ حلیے بشرے سے خوش باش' بولڈ اور ماڈرن نظر آنے والی یہ خواتین کسی طور بھی مظلوم' مقہور' مقید یا مَردوں کے ظلم کا شکار نظر نہیں آتی تھیں۔ ان کی شوخ

ادائیں دیکھ کر تو ایسا لگتا تھا کہ یہ اس سیشن کو خوب انجوائے کر رہی ہیں۔ ایک سلوگن تھا کہ ''اپنا کھانا خود گرم کرو۔ میں سخت جان ہوں''..... بھلا کھانا گرم کرنا بھی کیا اتنا مشکل کام ہے کہ اس کے خلاف سڑکوں پر احتجاج کی ضرورت پیش آئی' جبکہ آج کل تو مائیکرو ویو اوون نے مردوں اور عورتوں دونوں ہی کے لیے یہ کام بے حد آسان بنا دیا ہے۔ اور اب تو روٹی پکانے کی مشین بھی بآسانی دستیاب ہے۔ مزید یہ کہ گھروں میں کھانا پکانے کا رواج بھی اب تو ختم ہوتا جا رہا ہے۔ فاسٹ فوڈ کی بے شمار ورائٹیز ہر جگہ پر دستیاب ہیں اور ان جدید کھانوں کو تیار کرنے والے بھی مرد حضرات ہی ہوتے ہیں۔

''چادر چار دیواری..... گلی سڑی لاش کو مبارک'' اس سلوگن کا مطلب بھی گھر اور پردے سے آزادی کا مطالبہ ہے۔ اسلام آباد میں خال خال خواتین ہی پردے اور حجاب میں ملبوس نظر آتی ہیں۔ فیصل مسجد میں سیر کے لیے آئی ہوئی خواتین کو جسم کی نمائش کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ مسجد کا تقدس بھی ان کی اس آزادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ تنگ اور باریک لباس کے ساتھ ننگا سر لیے مسجد میں سیلفیاں اور تصویریں بنانے پر کسی طرف سے کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔ اسلام آباد جیسے لبرل علاقے میں خواتین تو پہلے ہی ہر طرح کی آزادی سے مستفید ہو رہی ہیں۔ پھر کون سی آزادی باقی رہ جاتی ہے جس کے حصول کے لیے سڑکوں پر آ کر مطالبے کرنے کا ''تکلف'' کیا گیا؟

پلے کارڈز پر لکھے گئے سلوگنز کسی اشتہاری کمپنی سے مستعار لیے ہوئے لگ رہے تھے۔ آج کل شیمپو' بیوٹی کریم' لیڈیز موٹر بائیک اور کولڈ ڈرنکس کے اشتہاروں میں بھی اسی طرح کے سلوگنز دیکھنے سننے کو ملتے ہیں — لائف بوائے شیمپو کے اشتہار میں بھی ماڈل اپنے بال لہراتے ہوئے کہتی ہے ''ہم اپنی خوبصورتی کیوں چھپائیں؟'' — ''کھل کے جیو'' — ''پہلے سے زیادہ مستی'' — ''Express yourself'' — ''دوپٹہ حسن کی حفاظت کرنے میں ناکام — فلاں اور فلاں سن بلاک لگاؤ اور دوپٹے سے آزاد ہو جاؤ'' — اور اسی طرح کے بے شمار اشتہارات دن رات خواتین کو چادر اور چار دیواری سے آزاد کرنے کی مہم کا حصہ ہیں۔

سورگباشی عاصمہ جہانگیر کی روح تو خواتین کا یہ متذکرہ مظاہرہ دیکھ کر خوشی سے جھوم رہی ہوگی۔ ان کے جانے کے بعد شاید خواتین اپنی آزادی کے معاملے میں عدم تحفظ کا شکار ہو گئی

ہیں' کیونکہ ان کی ایسی بے جا آزادی کو تحفظ دینے والی موم بتی مافیا کی لیڈر اب اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کو للکارنے کے لیے اس دنیا میں نہیں رہی۔ جسٹس شوکت صدیقی صاحب نے ویلنٹائن ڈے پر پابندی لگا کر خواتین کے جنسی مساوات اور جنسی آزادی کے حق پر بہت بڑی ضرب لگائی تھی۔ ''چاہے جانا'' جس طرح عورتیں اپنا سب سے بڑا حق سمجھتی ہیں اسی طرح وہ یہ بھی سمجھتی ہیں کہ اپنی چاہتوں کی تشہیر کا بھی انہیں خوب خوب موقع ملے — ورنہ ان کی ساتھی خواتین طعنہ ماریں گی کہ ''تمہیں تو کوئی چاہتا ہی نہیں'' — اپنی ہمجولیوں (ان کے نزدیک) میں یہ ان کی عزت کا سوال ہے' لہٰذا وہ احتجاجاً یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ ججز کون ہوتے ہیں ہمارے اس حق پر قدغن لگانے والے؟ عاصمہ جہانگیر صاحبہ نے تو پہلے ہی فرما دیا تھا کہ ''ایسے ججز کو تو مسجد کا پیش امام ہونا چاہیے''۔ لہٰذا مرحومہ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے خواتین نے مذکورہ مظاہرے میں اپنے لبرل اور بولڈ ہونے کا کھل کر اظہار کیا۔

''میرا جسم میری مرضی'' کا سلوگن تو اپنے اندر جنسی آزادی کا مطالبہ لیے ہوئے تھا ہی' لیکن ''چادر چار دیواری' گلی سڑی لاش کو مبارک'' کا نعرہ لگا کر ان بہت سی باپردہ اور گھریلو خواتین کے جذبات کو مجروح کیا گیا ہے جو پردے کو اپنی حیا کے تحفظ کا ضامن اور گھر گرہستی کو اپنی زندگی کا عظیم مقصد قرار دیتی ہیں اور اپنا حسن' جوانی اور اپنی خواہشات کو اپنے شوہر اور بچوں کی خدمت میں قربان کر دیتی ہیں۔ مذکورہ مظاہرے میں شامل خواتین کو بھی ایسے نعرے لگانے کے قابل بنانے والی ضرور ان کی وہ ماں ہے جس نے اپنا دن رات کا سکھ قربان کر کے اپنی بیٹی کو پالا پوسا اور اسے اعلیٰ تعلیم دلانے کے لیے وہ بڑھاپے اور بیماری کے باوجود آج تک گھر کے کاموں میں اپنی بچی کھچی توانائیاں کھپا رہی ہوگی۔ یہ سلوگن بلند کر کے یقیناً ان لبرل خواتین نے ایسی عظیم ماؤں کو گالی دی ہے۔

لبرل ازم کے نظریات تو ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ ہر فرد کو اپنے عقیدے اور اپنے اپنے نظریات کے تحت زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ اگر ایک عورت چادر چار دیواری کے نظریات کے تحت' حیا اور گھر گرہستی کو اپنا مقصد حیات ٹھہراتی ہے تو کسی دوسرے یا مخالف نظریات کے حامل افراد کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ سڑکوں پر کھڑے ہو کر حیا کی چادر میں لپٹی عورت کو ''گلی سڑی لاش'' کہہ کر اس کی تذلیل کریں۔ چادر چار دیواری کے نظریے کو فرسودہ اور جنسی

آزادی کے نظریے کو جدید ثابت کرنے کی یہ بھونڈی صورت اختیار کر کے لبرل ازم کی حامی ان خواتین نے اپنے آپ کو پورے پاکستانی معاشرے اور مردوں کی نظر میں خود ہی گرا لیا ہے۔

بہادری اور boldness تو یہ ہے کہ عورت اپنے دور کے فتنوں بشمول بے پردگی‘ عریانی‘ فحاشی اور رائج الوقت منفی نظریات کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جائے۔ جس بے حیائی اور بے پردگی کو اس وقت ساری دنیا مل کر جدیدیت اور confidence ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے‘ اس برائی کو اچھائی ماننے کے بجائے برائی کو برائی ثابت کرنے کے لیے ڈٹ جائے۔ لبرل ازم اور بے حیائی کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مائیں اپنا کردار ادا کریں اور اپنی آزاد خیال بیٹیوں کو لگام دیں۔ باپ اور بھائی اگر خود ہی لبرل نہ ہوئے ہوں تو اپنی اہل خانہ خواتین کو اس گمراہی اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی کے رستے پر سرپٹ آگے بڑھنے سے روکیں۔ ’’میرا جسم میری مرضی‘‘ کا سلوگن اٹھا کر جو بہن بیٹی سڑک پر کھڑی ہے وہ اپنے گھر کے مردوں کی غیرت کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ جنسی مساوات اور جنسی آزادی کے لیے عورتوں کی پکار اور بلند بانگ دعوے صرف مردوں کے مردانہ پن کے زوال کی علامت ہیں۔

یہ تو صرف پاکستانی مَردوں کے زوال اور انحطاط کے ضمنی نتائج ہیں۔ تاریخِ عالَم میں ہمیشہ مہذب قوموں کے زوال کی یہی علامت رہی ہے۔ یہ فطرت کا الارم ہوتا ہے —— یونان میں ایسا ہوا‘ روم میں بھی یہی ہوا اور انقلاب سے پہلے فرانس میں بھی یہی ہوا۔ اور آج بھی یورپ‘ امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے جنسی و تہذیبی حالات جس منزل تک پہنچ گئے ہیں اس سے یہ قوی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخِ عالَم پھر سے اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور جدید انسان اسی منزل کی طرف جا رہا ہے جہاں قبل از تاریخ کا وحشی انسان رہتا تھا۔ یورپ اور دوسرے ممالک میں ’’جنسی آزادی‘‘ کی تحریک نے جو عملی صورتیں اختیار کر رکھی ہیں وہ عالمگیر تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اب شادی کے ذریعے مرد اور عورت کا مضبوط تعلق قصۂ پارینہ بنتا جا رہا ہے اور رسمی شادی کے باوجود ’’جنسی آزادی‘‘ کے پردے میں جو گُل کھلائے جا رہے ہیں‘ وہ مغربی اور مشرقی دانشوروں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب شادی اور مناکحت کا صرف تصور ہی رہ گیا ہے۔ عملی زندگی پر اس کی گرفت اس قدر ڈھیلی پڑ چکی ہے کہ مرد اور عورت دونوں ’’مہذب حیوانیت‘‘ کے زندہ پیکر بن چکے ہیں۔

آج بھی سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ مرد و عورت کا مضبوط تعلق ایک اجتماعی زندگی کی بقاء کے لیے‘ کس طرح قائم رکھا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کا حل نہ سائنس اور فلسفے کے پاس ہے اور نہ ہی خود ساختہ آئین و قوانین میں ہے‘ بلکہ اقوامِ عالَم کے لیے ایک موقع موجود ہے کہ جہاں انہوں نے انسان کے وضع کردہ بہت سے نظام آزمائے ہیں‘ اب ایک دفعہ افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال پسند اسلام کو بھی آزما کر دیکھیں۔ اسلام سے مراد اس دور کے وہ مسلمان نہیں ہیں جو اخلاقی اور عملی طور پر زوال پذیری اور انحطاط کے مارے ہوئے کہلوانے کی حد تک مسلمان ہیں‘ بلکہ اسلام سے مراد وہ نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ وہ کسی کی مثال کو سامنے رکھے بغیر خود اس نسخۂ کیمیا کو آزمائیں۔ اسی حوالے سے پاکستان کی مسلمان عورت کے لیے بھی قدرت کی طرف سے یہ آخری موقع ہے کہ وہ غیروں سے بھیک میں مانگی ہوئی تہذیبِ جدید کے طلسم سے نکل جائے۔ اسی میں ان کی‘ ان کے خاندانوں کی اور پورے ملک کی بھلائی ہے۔

❁❁❁

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

اسلام اور دوسرے الہامی مذاہب

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اسلام ہی وہ طرزِ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی طرزِ حیات ہیں وہ انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ہیں' سوائے یہودیت اور عیسائیت کے' کہ یہ الہامی مذاہب ہیں۔ لیکن یہ دونوں بھی انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام معاملات پر جامعیت کے ساتھ روشنی نہیں ڈالتے' اس لیے کہ وہ اپنے اپنے عہد میں اہم تھے مگر اُن میں تکمیلی شان نہ تھی۔ اور اب تو ان پر اعتماد بھی نہیں رہا' کیونکہ انسانوں نے ان میں تحریف کی۔ مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تجرد کی زندگی کو اُسوۂ حسنہ خیال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طرزِ زندگی انسانوں کو کسی حد تک اخلاقیات کی تعلیم تو دے سکتی ہے مگر عملی زندگی میں اس کے اندر ناممکن چیزیں شامل ہیں۔ تجرد کی زندگی میں فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ شہوانی جذبات فطری ہیں' ان کو کچلنا بُرے نتائج پیدا کرتا ہے' اس پر تاریخ شاہد ہے۔ اس طرح تو انسانوں کی پیدائش رک جائے گی اور یہ ہرگز مطلوب نہیں۔

عیسائیت میں اخلاقی تعلیم بھی اکثر ناقابلِ عمل یا ادھوری ہے۔ عیسائی اس پر فخر کرتے ہیں کہ اُن کے ہاں شرافت ہی شرافت ہے اور شرافت بلاشبہ ایک مثبت رویہ ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ عیسائیت کی یہ تعلیم بتاتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے گال پر تھپڑ مار دے تو وہ دوسرا گال بھی اُس کے آگے کر دے تاکہ وہ دوسرا تھپڑ بھی مار لے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ شرافت قابلِ عمل نہیں۔ اسی لیے کہیں بھی عیسائیوں میں یہ انداز نظر نہیں آتا۔ انفرادی زندگی میں تو اس کی نامعقولیت واضح ہے۔ معاشرتی اور ملکی سطح پر بھی اس پر نہ عمل ہوسکتا ہے اور نہ ہوتا ہے۔ تھپڑ مارنے والا تو ظالم ٹھہرے گا' لیکن کیا ظالم کو ظلم سے روکا نہ جائے اور دوسرے لوگ اس کے تھپڑوں کا نشانہ بنتے چلے جائیں؟ اس طرح نہ صرف عدل وانصاف کا خون ہوگا بلکہ معاشرتی زندگی میں مظلوم کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ کسی مخالف ملک کا ایک ہوائی جہاز عیسائیوں کے ملک پر ایک بم گرا جائے تو کیا اس کی مزاحمت نہ کی جائے گی' بلکہ اُس کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ وہ دوسرا

بم بھی گرا دے؟ ظاہر ہے کہ اس سے امن قائم تو نہ ہوگا' بلکہ ظلم کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل کی بات ہے جب برصغیر پر انگریزوں کی حکمرانی تھی اور حکومت کے زعم میں وہ عیسائیت کے پرچار میں مستعد تھے۔ عیسائی مشنریاں جگہ جگہ لوگوں کو طرح طرح کا لالچ دے کر عیسائی بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔ عیسائی پادری مسلمان علماء کو چیلنج دیتے اور ان کے ساتھ مناظرے کرتے تھے۔ ایک نابینا عالم دین حافظ ولی محمد بادشاہی مسجد کے نائب خطیب تھے' جو اعلیٰ درجہ کے عالم اور حافظ قرآن تھے' عربی زبان میں ماہر تھے۔ لاہور میں پادری فنڈر (یہ وہی پادری ہے جس نے FC کالج کا آغاز کیا تھا) نے انگریز حکومت کی سرپرستی میں مسلمان علماء کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ حافظ ولی اللہ اس وقت لاہور سے باہر تھے۔ انہوں نے لاہور آ کر مناظرے میں شرکت کی۔ مناظرہ شروع ہوا تو حافظ صاحب نے کہا کہ میں نابینا ہوں' مجھے پادری فنڈر کے پاس بٹھایا جائے تاکہ میں اُس کا چہرہ ٹٹول سکوں۔ جب انہوں نے پادری کا چہرہ ٹٹولا تو اُس کے گال پر اتنی زور کا تھپڑ لگایا کہ اُس کے دانتوں سے خون جاری ہوگیا۔ مجمع درہم برہم ہوگیا۔ حافظ صاحب کو گرفتار کرلیا گیا۔ مقدمہ انگریز مجسٹریٹ کے پاس تھا۔ مجسٹریٹ نے حافظ صاحب سے کہا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے پادری کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ صاحب نے کہا یہ غلط ہے۔ دراصل میں دیکھنا چاہتا تھا کہ پادری صاحب انجیل مقدس پر ایمان بھی رکھتے ہیں یا نہیں؟ انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارا جائے تو دوسرا گال پیش کر دو۔ میں نے انہیں تھپڑ مارا' لیکن پادری صاحب نے انجیل پر عمل کرنے کی بجائے مجھ پر مقدمہ درج کرا دیا۔ مجسٹریٹ نے سنا تو پادری کو جواب دینے کو کہا۔ پادری نے اعتراف کیا کہ انجیل میں یہی لکھا ہے۔ چنانچہ مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

یوں عیسائیت کی یہ تعلیم نہ پسندیدہ ہے اور نہ قابلِ عمل۔ اس کے برعکس اسلامی تعلیمات میں جو کسی پر زیادتی کرتا ہے اس کو آزاد نہیں چھوڑا جاتا بلکہ جرم کے مطابق اسے سزا ملتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑی جائے' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے زخم لگایا جائے۔ ہاں اگر مظلوم معاف کر دے تو اور بات ہے۔ ایک شخص کسی کو ناحق قتل کر دے تو قاتل کو قتل کی سزا دی جائے گی۔ بعض کوتاہ بین لوگ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں۔ یہ ان کا اپنا ناقص خیال ہے' جب کہ یہ سارا کچھ

امن قائم کرنے کے لیے ہے۔ قاتل یا مجرم کو قید و بند کی سزا عین انصاف اور جرائم کی روک تھام کے لیے ضروری ہے۔ ہر جرم کی سزا حکیمانہ ہے تاکہ مجرم کو جرم کی سزا ملے' دوسرے لوگ اُس سے عبرت پکڑیں اور جرائم سے دور رہیں۔ اسی لیے اسلام میں مجرم کو سزا سرِعام دی جاتی ہے تاکہ دوسرے لوگ دیکھیں اور جرم کے ارتکاب سے باز رہیں۔ جن مذاہب میں قاتل کو قتل کی سزا دینا انسانیت کی توہین سمجھا جاتا ہے وہ یہ تو سوچیں کہ جس نے کسی کو ناحق قتل کیا' کیا اُس کو انسانیت کی تذلیل کرنے کی اجازت تھی؟ ہر کسی کو جینے کا حق حاصل ہے۔ اسلامی حکومت تو کسی غیر مسلم پر بھی ظلم برداشت نہیں کرتی۔ غیر مسلم رعایا کے فرد پر کوئی مسلمان زیادتی کرے گا تو سزا پائے گا۔ ہاں اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہ ہوگی' کیونکہ صحیح دین اسلام ہی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ﴾ (آل عمران: ۸۵) ''جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا''۔ کیونکہ ابدی نجات کی اولین شرط دین اسلام قبول کرنا ہے۔ جب مسلمانوں کی حکومت ہوگی تو وہ یہ برداشت نہیں کرے گی کہ کوئی آدم زاد نجات سے محروم رہے۔ چنانچہ وہ غیر مسلموں کو پیار اور محبت سے تبلیغ کریں گے کہ اسلام قبول کر کے مسلم ہو جائیں' تاکہ فلاح پائیں' فھو المطلوب۔ ورنہ اسلامی حکومت کے اندر ''ذمی'' بن کر رہیں' انہیں ہر طرح کی سکیورٹی حاصل ہوگی اور انسانی حقوق دیے جائیں گے۔ ایسا بھی نہیں کرتے تو پھر انہیں جنگ کا چیلنج دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ مسلم بن کر نجات کے امیدوار بن سکیں' کیونکہ ایمان کے بغیر نجات نہیں۔

یہودی غیر یہودیوں کو نجات سے محروم سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی شدید دشمنی ہے۔ مسلمانوں کا وجود انہیں برداشت نہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ وہ ہر قسم کی زیادتی جائز سمجھتے ہیں۔ مسلمان بوڑھا ہو یا بچہ' مرد ہو یا عورت انہیں اس کے قتل میں کوئی باک نہیں۔ جبکہ مسلمان حالتِ جنگ میں بھی کسی عورت' بوڑھے' مذہبی رہنما یا بچے کو ہرگز نشانہ نہیں بناتے' بلکہ ان کو عزت دیتے ہیں۔ گویا مسلمان دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا اخلاق ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ لڑائیوں میں مسلمانوں نے مخالفین کے ساتھ اصولی جنگیں لڑی ہیں۔ اُن کی عورتوں' بچوں' بوڑھوں اور مذہبی رہنماؤں پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اقتدار پا کر

مسلمانوں پر وہ ظلم کیے ہیں کہ اس سے زیادہ کسی کی تذلیل نہیں کی جا سکتی۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کوئی غیر مسلم قیدی اسلامی ملک سے قید کاٹ کر آزاد ہوا تو مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہر غیر مسلم کو عزت دیتے ہیں' اُسے اپنے پورے حقوق کے ساتھ زندہ رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ صرف وہ اپنے مذہب کی اعلانیہ تبلیغ نہیں کر سکتے' کیونکہ ایسا کرنے سے ''دینِ حق'' اسلام کی حقانیت پر حرف آتا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت اگرچہ الہامی مذاہب ہیں' لیکن قرآن کی موجودگی میں ان مذاہب کا باطل ہونا واضح ہے۔

مخالفت کی انتہا جنگ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس غیر مسلم قیدی بن کر آئے تو مسلمانوں نے اُن کے ساتھ مثالی سلوک کیا۔ ان کو اپنے برابر کا انسان سمجھا۔ انہیں آدمؑ کی اولاد اور اللہ کے کنبے کا ایک فرد سمجھا۔ ان پر کسی طرح کا ظلم نہ کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے تو کافروں نے آپ کے ناک، کان کاٹ کر لاش کا مثلہ کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ یہی ہندہ اور وحشی بعد ازاں جب مسلمان ہو گئے تو ان پر کسی طرح کی نہ سختی کی گئی اور نہ نفرت' بلکہ انہیں دوسرے مسلمانوں کے برابر سمجھا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی حکومت کا رقبہ بڑھانے کے لیے جنگ نہیں کی اور نہ مخالفین پر ظلم و زیادتی کی' بلکہ اسلامی جنگیں اسلام کے دفاع میں لڑی گئیں' تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو اور ہر جگہ پر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہو' امن اور انصاف قائم ہو۔ انہی جنگوں کو جہاد اور قتال کہا گیا۔ اسلامی جنگوں کی strategy اس شعر میں واضح ہے کہ مسلمان اپنا خون دے کر دینِ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں' جس کے نتیجے میں انسان ابدی فلاح پائیں ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن　　نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

دوسرے بہت سے خودساختہ عقائد کی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مانتے ہیں اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ حالانکہ الٰہ تو ایک ہی ہو سکتا ہے جو کائنات کو وجود میں لانے والا ہے' نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد' کیونکہ بیوی بچے تو مرد کے ہم جنس ہی ہوتے ہیں۔ وہ اکیلا ہے' کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مخلوق کا ہر فرد ہلاک ہو جانے والا ہے' جبکہ معبود کو موت نہیں۔ وہ ہمیشہ موجود ہوگا تو لوگ اس کی عبادت کریں گے' اس کے عدم کا امکان نہیں۔

May 2018
Vol.67

Regd. CPL No.115
No.5

Monthly **Meesaq** Lahore

قرآن حکیم کی عظمت‘ تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے ۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501

maktaba@tanzeem.org